چیخف

(انتون پاولووِچ چے خف کی زندگی اور فن کا مطالعہ)

ڈاکٹر ظ انصاری

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

# چیخف

CHEKHAF By DR. Z. ANSARI



پہلا اڈیشن: سنہ اشاعت: 1976 تعداد: 1000 1898
دوسرا اڈیشن: 1000 1983 1905
قیمت : -/15
سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو 297

اس کتاب کی طباعت کے لیے حکومتِ ہند نے رعایتی قیمت پر کاغذ فراہم کیا

---

ناشر : ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی 110066
طابع : جے کے آفسٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی 110006

# پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کرچکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

**ڈاکٹر فہمیدہ بیگم**

ڈائریکٹر ترقی اُردو بیورو

# دیباچہ

پیدائش : ۲۹ر جنوری ۱۸۶۰ء
وفات : ۱۵ر جولائی ۱۹۰۴ء

افسانے، مضامین، طنزیے، خاکے، اِسکٹ، ایکانکی اور ڈرامے، سب ملاکر گیارہ سو (۱۱۰۰)۔ چھوٹے بڑے افسانے، جنھیں کتابوں میں جگہ ملی، آٹھ سو (۸۰۰) سے کچھ کم۔ انتخاب ہوئے تقریباً ۲۲۶۔ کئی ایک فرضی یا قلمی ناموں سے بھی لکھا، اپنے نام سے بھی۔ ۲۵ برس لکھا، زیادہ تر اخبارات و رسائل کے لئے۔ عموماً قلم برداشتہ، بعض اوقات سنبھل سنبھل کر۔ آخری اور مکمل اشاعت سے پہلے اپنے تمام ڈراموں پر اور خاص خاص افسانوں پر نظرثانی کی، ان کے عنوان اور انجام بدلے۔ خود کو بدلا، بدلتا رہا، تاہم کبھی مطمئن نہیں ہوا۔ ہمیشہ اپنی تحریروں کو دشمن کی نظر سے دیکھا کیا؛

”اس کی تمام تحریروں کا ایک ہی جانی دشمن تھا دس میں وہ۔ چے خف کی ہر ایک تصنیف سے بے رحمی کا برتاؤ کرتا اور اسے نامعقول، بیہودہ، بچکانہ، اَدھ کچرا کہتا رہا۔“

آپ کو خبر ہے، وہ کون تھا؟ بذاتِ خود انتون پاولووچ چے خف ○

موت سے چند مہینے پہلے اس کا ایک مشہور اہلِ قلم دوست بُونین (جو یالٹا کے دوران

---

○ کورنے ئی چوکوفسکی۔ مضمون ”چے خف“ باب دوم۔ مطبوعہ صد سالہ سالگرہ اڈیشن۔ ماسکو۔

قیام آخری برسوں میں اکثر ملنے جاتا تھا) اپنی ایک روز کی گفتگو نقل کرتا ہے،

"ہاں میں نے لکھا تو بہت، مگر لوگ بھول بھال جائیں گے"

"نہیں ——— ایسا کیوں سوچتے ہیں آپ؟"

"بہت ہوا تو سات سال یاد رکھیں گے"

"سات سال ہی کیوں؟"

"اچھا تو ساڑھے سات سال سہی"

آج اس کا قلم خشک ہوئے ستر (۷۰) برس ہونے آئے مگر عالمی ادب میں اس کا مقام برابر بلند ہوتا گیا ہے۔ مختصر افسانہ اس کے افسانے کے ساتھ اپنی معراج کو پہنچا اور ڈرامے کے فن نے اس کے ڈرامائی تجربوں کی روشنی میں آگے کی راہ تلاش کی۔ وحدتِ ثلاثہ (وقت، مقام اور عمل) کا تصور باطل ہوگیا، غیر معمولی شخصیت کے ہیرو اسٹیج سے اٹھ گئے، رفتہ رفتہ اُٹھان اور کلائمکس کے پرانے نظریے طاق پر رکھ دیے گئے۔

دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان ایسی نہیں جس میں چےخف کے ترجمے اہمیت نہ پاچکے ہوں اور کوئی ذی علم ادیب یا فنکار ایسا نہیں جو چےخف سے بالکل ناآشنا رہ گیا ہو۔

اُس کے مدّاحوں میں، تالستائے، گورکی، سالتی کوف شچدرین، کورولینکو، الیکساندر کوپرن، مَیا کوفسکی، شولوخوف جیسے صفِ اوّل کے اہلِ قلم کے علاوہ دنیا کے مشاہیر میں لوہسون کوموجو، ایزابیلا بلیوم، جان گالزوردی، جارج برنارڈ شا، مون ٹیگوٹر، ایڈورڈ گارنیٹ، اینڈرسن، کیتھرین مینسفیلڈ، جے بی پریسٹلے، ڈبلیو۔ ایچ بروفورڈ اور ٹیگور شامل ہیں۔ شا سامرسٹ ماہام، ہیمنگوے، پریم چند اور منٹو نے اس کی سادگی و پُرکاری کے آگے سر جھکا لیا ہے۔

زبان، زمین، زمانے اور ذی روح کو چےخف نے کچھ یوں برتا کہ ہمارے دور کا افسانوی ادب اس کے بارِ احسان سے سبک دوش نہیں ہوسکتا۔ یہ چند ورق بھی احسانمندی کا معمولی سا اعتراف ہیں، جنھیں تلاش و تحقیق کا کوئی دعوا نہیں، البتہ قلم اُٹھانے سے پہلے، روسی، جرمن، امریکی، انگریز، فارسی اور اردو مصنّفوں کی ۲۸ کتابوں اور درجنوں مضامین کے علاوہ خود مصنف سے متعلق علمی مرکزوں پر ایک نظر ڈالی جاچکی ہے تاکہ بیان میں

یک رُخی نہ رہنے پائے اور کوئی پہلو نظر انداز نہ ہو جائے۔

چے خف پر مختلف زبانوں میں لکھے ہوئے مضامین اور کتابوں سے الماریوں کے خانے بھرے پڑے ہیں۔ افسانوں اور ڈراموں کے علاوہ کم و بیش چار ہزار خطوط بھی نو (۹) جلدوں میں سما چکے ہیں اور اُن کے ترجمے آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس سے چھپ رہے ہیں، ضخیم نوٹ بک چھپ چکی ہے۔ ٹائمز (لندن) کے ادبی ضمیمے میں اب بھی اس پر مضامین نکل جاتے ہیں۔ روسی صحافت میں آج تک کوئی نہ کوئی تازہ تحقیق سامنے آجاتی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں آج بھی اس کی تحریروں پر بحث کے دفتر کھُلے ہوئے ہیں۔

اس تمام انبار میں، دیکھا جائے تو، تین مُجلّہ چے خف کے بھرپور مطالعے کو کافی ہیں۔ سب سے مختصر، انگریزی میں مشہور مصنّف J. B. PRIESTLEY کی کتاب انتون چے خف، سب سے مفصّل اسی نام کی، روسی میں وی۔ یرمی لوف (V. ERMILOV) کی تصنیف اور پھر خود مصنّف کے خطوط کا مجموعہ، جن سے اس کی تحریروں کا کردار بھی کھُلتا ہے اور مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہم عصر زندگی کا وسیع منظر بھی۔ تب پتہ چلتا ہے کہ کہنے والے نے کچھ مبالغہ نہیں کیا جو یہ کہا:

چے خف ۱۸۸۰ء اور ۱۸۹۰ء کی دہائی والے برسوں میں روس کی انسائیکلوپیڈیا ہے جیسے الیکسانڈر پوشکن ۱۸۲۰ء کی دہائی کے روس کی.......

اردو کا دامن غیر ملکی ادب کے موتیوں سے خالی نہیں رہا، اس کے حصے میں جو تھوڑا بہت آیا، وہ قابلِ قدر ہے۔ ۱۹۲۰ء کے بعد سے اردو کے سنجیدہ ادبی رسالوں میں روسی ادبیات کے ترجمے، ماخوذے اور تبصرے چھپنے لگے تھے۔ سہ ماہی "اردو" (اورنگ آباد) "زمانہ" (کانپور) کے علاوہ "نیرنگِ خیال" (لاہور) "ساقی" (دہلی) میں کئی مضمون اور ترجمے چھپے۔ ۳۶ء میں سعادت حسن منٹو نے نیرنگ خیال کا روسی ادب نمبر نکالا اور ۴۰ء میں پروفیسر محمد مجیب کی کتاب "روسی ادب" دو جلدوں میں نکلی۔ واقعہ یہ ہے کہ پروفیسر مجیب کو شایانِ شان داد نہیں ملی، ورنہ روس کے کلاسیکی ادب کے درجنوں (اچھے اور بُرے) ترجمے ہو چکنے کے بعد آج بھی

ہمارا مطالعہ اس مقام سے آگے نہیں بڑھا ہے جہاں پروفیسر موصوف نے اسے چھوڑا تھا۔

"چے خف کی چھوٹی بڑی کہانیاں"، ناولٹ "تین سال" اور "ادبیات کا استاد" اردو میں واحد مستند ترجمے ہیں جن میں اصل کی کیفیت برقرار ہے ○ ۔ان کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً انگریزی ترجموں سے چند افسانے اردو لباس اختیار کرتے رہتے ہیں اور بعض افسانہ نگاروں نے چے خف کے ہاں سے خیال یا واقعات لیے ہیں۔ بعض کو افسانے کی تحریک وہیں سے ملی ہے اور یوں اردو افسانے کی نشوونما میں چے خف کا ہاتھ بالواسطہ شریک رہا ہے۔

چے خف نے بچپن سے عمر کے آخری دنوں تک سخت محنت، لگن، تلاش، دُکھ، ظرافت اور زندہ دلی کی زندگی بسر کی۔ طالب علم اور دوکاندار کے بیٹے، کالم نویس اور ٹیوٹر، پھر ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنے پیشے میں محنت اور لگن، ہمت دشوار پسند، طبیعت شاد باش، انسانی مسرت اور متحرک فطرت میں حسن و نفاست کی تلاش۔ اپنا، اپنے خاندان کا، اپنے قصبے کا اور پھر جہاں جہاں نظر پہنچ سکے، سب کا دُکھ اس نے اپنے وجود میں سمیٹا اور وجود کی بے ربطیوں سے چھیڑ خانی جاری رکھی۔ یہی دُکھ، دردمندی اور زندہ دلی یکجان ہو کر چے خف کا اسٹائل بن گئی ہے۔ یہی اسٹائل اسے زندہ رکھنے کی ضمانت ہے۔

۷ برس کی عمر میں اس نے گرجا گھر میں بھجن گائے، گھر میں موسیقی کی تعلیم لی، باپ کی دوکان پر کئی گھنٹے روزانہ کام کیا، مصوری سے شوق کیا، اسکول والوں کی نقلیں اُتاریں، ایکٹنگ کی، بہن بھائی کے لئے ایک تفریحی رسالہ نکالا، ڈراموں کے مکالمے رٹے اور مقروض گھرانے کی بے لطف زندگی میں لطف کا سامان پیدا کیا، بے سروسامانی کے عالم میں طالبِ علمی کا دور پورا کیا، اسی دور میں ضرورتمندوں کی بھی مالی امداد کی، زندگی نے اس کے کھلنڈرے لڑکپن کے ناز نہ اُٹھائے،

---

○ ۵۲۰ صفحات کے پہلے مجموعے میں ۷۰ منتخب افسانے ہیں۔ زیادہ تر اقتباس وہیں سے لیے گئے۔ میں نے اس مجموعے کی ترتیب و اصلاح کی ہے اور باقی دو کا ترجمہ۔ تینوں مجموعے ماسکو سے (۶۱-۱۹۵۹) شائع ہو چکے ہیں ــــ پروگریس پبلشرز۔ ۲۱، زوبوفسکی بلوار۔ ماسکو۔

مگر وہ ہر رنگ میں زندگی کے ناز اُٹھاتا رہا۔

محنت سے جی چُرانے، مطالعے اور مشاہدے کو ایک چوکھٹے میں قید رکھنے، خیالات اور عقیدوں کے گرد باڑھ لگانے، خواہ مخواہ لفظوں کے پیچھے کترنے اور ہر قسم کی بدعنوانی گوارا کرنے سے اسے عمر بھر نفرت رہی۔ اونچی آواز سے بولنا، مرعوب کرنا، حریفوں یا حلیفوں کی بات کاٹنا، اپنی رائے پر بضد رہنا اور بحث و تکرار کرنا، اوروں کو نیچا دکھانا، کسی عقیدے کا ڈھنڈورا پیٹنا اسے برداشت نہ تھا۔ گوارا اور ناگوار کی یہ تفریق اس کی سجائی ہوئی پُر بہار محفل میں بھی صاف نظر آتی ہے، جس محفل میں کم از کم تین سو روسی ہستیاں اپنی میلی یا اُجلی پوشاک میں قاعدے قرینے سے کرسی نشین ہیں۔ ان سب کے چہرے الگ الگ ہیں، ایک کو دوسرے سے شناخت کیا جا سکتا ہے، مگر ان سب میں کوئی بات مشترک بھی ہے، اور وہ مشترک بات ہے چیخف کا در پردہ مسکراتا ہوا وجود، جو تماشائی نہیں، تماش بین نہیں، صرف محو تماشا بھی نہیں۔ بلکہ تماشے میں کہیں نہ کہیں سرگرم عمل ہے۔

وہ کم سخن آدمی تھا اور پبلک پلیٹ فارم پر اپنی صورت دکھانے یا آواز سنانے سے شرماتا تھا؛ اس چہرے کو تخیل کے تراشے ہوئے چہروں میں، اور آواز کی قوت کو تحریر میں ڈال دیتا تھا، گھول دیتا تھا۔

نئے نئے تجربوں اور مشاہدوں کی بے پناہ اُمنگ نے اُسے کہیں ایک ٹھکانے ٹھیرنے نہیں دیا۔ تنہا اپنی ذات سے آگے کا سفر کرتے کرتے وہ گرد و پیش کی چھوٹی چھوٹی اکائیوں کے اندر اُترنے لگا۔ کبھی تمام نہ ہونے والے اس عالم اکبر ○ کے سفر میں اس نے عالم اصغر کی سیاحت بھی شامل کر لی۔ ۳۰ برس کی عمر کو پہنچتے پہنچتے وہ یورپ کی روسی سرحد سے چل کر سائبیریا، سکھالین کے صبر آزما مقامات سے گزر کر، ہانگ کانگ اور کولمبو ہوتا ہوا واپس اودیسہ گیا، پھر تین بار اٹلی اور فرانس کا سفر کیا۔ افریقہ اور جنوبی امریکہ کے لئے کمر کسی۔ صحت اجازت اور موت

---

○ أَتزعمُ أنّكَ جرمٌ صغيرٌ وفيكَ انطوى عالمُ الأكبرُ

(کیا تم سمجھتے ہو کہ ایک حقیر اور چھوٹا سا جسم ہو ؟ حالاں کہ تمہارے وجود میں بڑی کائنات لپٹی ہوئی ہے)

مہلت دیتی تو وہ اپنے دَور کی باقی دنیا بھی چھان مارتا۔ جہاں جہاں سے گزرا، نگاہ کا دامن کثرتِ نظارہ سے بھرتا ہوا، خطوط اور افسانوں کا بکھیر کرتا ہوا گزرا۔ وہ کسی کردار، کسی کیفیت، کسی منظر کے بیان میں بند نہ تھا۔ اس نے بے بسی کے ظالم احساس سے سمجھوتہ اور چھوٹی چھوٹی آسائشوں کے حصول سے کبھی کنارا نہ کیا۔ ماضی کے جبر کا شکنجہ توڑ کر اس نے حال کو تشکیک کی نظر سے دیکھا۔ عمر کا درمیانی کم از کم پندرہ سال کا عرصہ حال پر تشکیک میں، غم غلط کرنے میں، تذبذب میں گزارا۔

شعور کا سفر جاری رہا اور جب ۱۸۹۰ء کے بعد روس نے طویل خواب گراں کے بعد کروٹیں لینی شروع کیں، درمیانی طبقے اور محنت کشوں کی تحریکوں میں ہلکورے آئے تو اُسے اپنے خوابوں کی سرزمین پر امید کی ہلکی سی اُجلی لکیر دکھائی دی، یہ لکیر پھیلتی گئی، یہاں تک کہ وہ مستقبل پر یقین میں بدلنے لگی اور چے خف کے کردار عزم اور اثباتِ ذات کی وہ زبان بولنے لگے جسے خود مصنف آرٹ کے منافی سمجھا کرتا تھا۔

طنزیوں اور افسانوں سے گزر کر ڈراموں کے لئے خود کو وقف کر دینا بھی اِسی تشنہ تمنّا کا اگلا قدم ثابت ہوا۔

غم اور مسرت، فرد اور ماحول، تنہائی اور ہجوم کے گہرے پیچیدہ رشتے کو اس نے اپنے پیش رَووں پوشکن اور تورگینف سے زیادہ گہرائی میں اُتر کر دیکھا ہو یا نہیں، صد رنگ جلووں میں پیش ضرور کیا ہے۔ کہیں اُس کا افسانہ سید انشا کی طرح اٹکھیلیاں کرتا ہے، کہیں میر کی رمز آشنا غزل کا لطف دیتا ہے اور کبھی غالب کی طرح دانائے راز کے تبسم پر تمام ہوتا ہے۔ ایسے بھی افسانے ہیں جو بقول خود چٹکی بجاتے میں لکھ لیے اور ایسے بھی جنھیں بڑی کاوش کے بعد برسوں میں پورا کیا ـــ لیکن جہاں دیکھیے آمد ہی آمد ہے۔ مصنف یوں ہمارے ساتھ ہو لیتا ہے گویا ہم چل رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں، جان پہچان رہے ہیں، چے خف تو محض ایک سایہ ہے اور جونہی یہ سایہ جدا ہوا کہ ہم رنگا رنگ کرداروں کی راہ گزر پر سوچتے رہ جاتے ہیں۔ اپنے رفیق سفر کو یوں گہری سوچ میں چھوڑ جانا چے خف کی گہری چال ہے، یہ ایسی شرارت ہے جو پڑھنے والے کو گھسیٹ کر انجام بخیر تک پہنچانے کی نیک ذمہ داری

اپنے سر نہیں لیتی۔

اس نے زندگی کا مشاہدہ بھانت بھانت کے لوگوں میں رہ کر، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوکر، لمحوں کے تسلسل میں تیر کر، ڈاکٹر اور مریض بن کر، سیر و سیاحت کر کے، ہجوم میں گھل مل کر اور سب سے تنہا یکسوئی میں راتیں گزار کر کیا ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں وہ ایک یار باش مگر سنجیدہ نوجوان تھا جس نے روزمرہ کے ایجی ٹیشن سے خود کو الگ رکھا۔ انفرادی دہشت انگیزی کے ذریعے نظام حکومت کا تختہ اُلٹنے کی تحریک اسے کبھی قائل نہ کرسکی۔ اخباروں، رسالوں کے لئے قلم کی مزدوری شروع کی تو طالب علموں، استادوں، کسانوں، اہلکاروں، ڈاکٹروں اور بیماروں کی زندگی اور کردار کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا۔ بظاہر بے مقصد اور جی بہلانے والے خاکے، مضامین اور کالم اس کے لئے تختۂ مشق بنے اور پھر وہ خود ایک ادیب اور ڈاکٹر کی حیثیت سے اُن کا تختۂ مشق بنا۔ سیاسی، سماجی یا تہذیبی مقصد روپ بدل بدل کر اس کی تحریروں میں راہ پانے لگا اور بالآخر وہ اپنے فن کے ساتھ وہاں آ پہنچا جہاں فریاد ایک لَے بن جاتی ہے اور نعرہ فکری آہنگ میں ڈھل جاتا ہے۔

چیخوف ایک کثیر الاحباب آدمی تھا۔ چار ہزار خطوط میں (جو محفوظ رہ گئے) وقت کے قابلِ ذکر موسیقار، مصوّر، ادیب، ڈاکٹر، شاعر، نقّاد، مفکّر، اڈیٹر اور بے فکرے، نوجوان اور بوڑھے، سبھی ملتے ہیں۔ اسکی نوٹ بک، جو ایک مختصر روزنامچہ تھی، تاثرات اور سرگرمیوں سے، لوگوں کے ناموں اور تذکروں سے بھری پڑی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنے بیمار اور مصروف آدمی کو اپنے پائیں باغ میں پھول لگانے، پھلوں کے درخت اُگانے، مکان کی اینٹوں اور پلاسٹر کا انتظام اور حساب رکھنے، دوائیں منگانے اور بانٹنے، اسکول ہسپتال، سڑکیں اور کتب خانے تعمیر کرانے، روپیہ کمانے اور پھر اسے جلدی سے ٹھکانے لگانے اور روزانہ نئے مہمان بلانے، خاطرداری کرنے، سب

سے ہنسی مذاق کرنے، کسی کو دوا، کسی کو کتاب، کسی کو جیب خرچ دینے، معاصرین کی تحریروں سے باخبر رہنے اور پھر تبادلۂ خیال کرنے کے بعد، باہمہ اور بے ہمہ رہنے کے بعد اتنا کچھ سوچنے اور لکھنے کا وقت کہاں سے ملتا ہوگا! جدھر وہ جاتا، جہاں کچھ عرصے قیام کرتا، وہیں شفا طلب بیماروں، ایکٹروں، نوخیز قلمکاروں، شناساؤں اور ناشناسوں کی بھیڑ لگ جاتی جنہیں یقین ہوتا تھا کہ صرف اس تک پہنچ جانا ہمارا کام ہے باقی کام چے خف کرے گا۔ گہری انسانی ہمدردی، زندگی کی ترتیب اور سلیقہ، وہ جادو کے منتر تھے جنھوں نے اس کے چوبیس گھنٹوں میں بلا کی گنجائش بھر دی تھی اور اسے عمر بھر کبھی بے فرصتی کی شکایت نہیں رہی۔

اپنی مرضی سے سائبیریا اور سکھالین کا سفر کیا تو سفرنامے سے سیکڑوں اخباری کالم بھرنے کے علاوہ ۵۰۰ صفحات کی ایسی رپورٹ شائع کی جس کے نتیجے میں شاہی حکومت کو ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھانا اور آخر میں اصلاحات کا اعلان کرنا پڑا، وسطی روس میں ہیضے کی وبا پھیلی تو ۲۵ گاؤں کی تحصیل میں دوا اور غذا کا سارا انتظام سنبھال لیا، اپنے وطن تگان روگ کے قصبے میں اسکول اور کتب خانہ قائم کرایا اور جہاں کوئی اچھی کتاب نظر پڑی، خرید کر یا تحفہ لیکر اس کتب خانے کو مالا مال کیا، جن جن مقامات پر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا وہاں کوئی نہ کوئی مفید اثر چھوڑا، کیمیکل انڈسٹری دیکھنے گیا تو آواز اٹھائی کہ ایسی مضر صحت جگہ کام کے گھنٹے کم کیے جائیں، چناں چہ آٹھ گھنٹے کا دن قرار پایا، جن میں صلاحیت دیکھی ان کی رہنمائی بھی کی اور مشورے بھی دیے کہ ڈرامے لکھو، ڈرامے کی تاثیر افسانے یا ناول سے زیادہ ہے، خود ڈرامے کی دنیا میں قدم جما کر رکھا تو اسٹیج، ایکٹر، لباس، حلیہ، مکالموں کی ادائگی اور انداز سبھی میں دخل دیا ـــ اپنی تحریروں پر ان کا دخل قبول بھی کیا۔ ترمیم یا تبدیلی قبول کرنے سے اسے کوئی عار نہ تھا۔ عار تھا تو تبدیلی کا دعویدار بننے سے اور خود کو کسی نئے یا پرانے ادب کا معمار کہلانے سے۔

یہ تھا ڈاکٹر انتون پاولووچ چے خف ـــ طنز نگار، مزاح نگار، افسانہ نگار،

ڈرامہ نگار ، جو ۴۴ برس جیا ، آخری ۱۹ برس تپ دق کا شکار رہا ، یہ جان لیوا بیماری نہ اس کا تبسم چھین سکی ، نہ محبت یا محنت کرنے کا حوصلہ ، اس نے طنز بھی کیے ، طنز کا نشانہ بھی بنا رہا ، عشق بھی کیے ، شادی بھی کی ، اندازے کے ساتھ پیمانے بھی چھلکائے اور جب شمپین کا آخری جام اور زندگی کی آخری مسکراہٹ چھلکا کر آنکھ بند کی تو دنیا کی ۲۲ زبانوں میں اس کی داستان ورق ورق ہو کر پھیل چکی تھی ، اور صدیوں پرانی دنیا اپنا اگلا ورق کھول رہی تھی ۔

# باب اوّل

"میرے بچپن میں کوئی بچپن نہ تھا۔"

(چے خف)

انتون پاؤلووچ چے خف (چیخوف) ۲۹ جنوری ۱۸۶۰ء کو جنوبی روس کے ایک چھوٹے سے ساحلی شہر تگان روگ میں پیدا ہوا۔ دادا کسی زمیندار کے کمیرے (SERF) تھے۔ محنت مزدوری کر کے انھوں نے جیسے تیسے ۷۰۰ روبل جوڑے، مالک کو ادا کیے اور غلامی کا جوا اپنی گردن سے اتار دیا، زمین کے بندھن سے آزاد ہو کر انھوں نے بیٹے کو ایک آڑھتی کے ہاں منشی یا مُنیم کرا دیا۔ بیٹے نے دوکانداری یہیں سیکھی اور آگے چل کر اپنی چھوٹی سی پرچون کی دوکان کھول لی اور ایک مقامی بزاز کی بیٹی سے شادی کر لی۔ بزاز گھرانے سے آئی ہوئی اس بے علم خاتون کو معاملات دنیا کا علم اپنے شوہر سے زیادہ تھا۔ اس دوکان پر پنساری، بساطی اور شراب فروش سبھی کا سامان بکنے لگا اور آمدنی کے ساتھ ساتھ کُنبہ بھی بڑھتا گیا۔

جنگ کرائمیا کے دنوں (۱۸۵۵ء) میں برطانوی بحری بیڑے نے بحر آزوف میں گھس کر اس چھوٹے سے بندرگاہ پر گولہ باری کی تو اوروں کی طرح یہ گھرانا بھی زد میں آگیا۔ شہر چھوڑ کر نکلا، کچھ عرصے بعد پھر جما جمی ہونے لگی تو چے خف کے باپ بھی خاندان سمیت واپس آئے، گھر کی آبادی تو بڑھ گئی۔ پانچ بیٹے، ایک بیٹی۔ آمدنی نہ بڑھی۔ باپ کے ہاتھ تلے اولاد کو بھی کام کرنا پڑتا تھا۔ تیسرا بیٹا انتون، جسے گھر میں پیار سے "انتوشا" پکارتے تھے، وہ بھی اجنبی گاہکوں کو سامان پکڑانے لگا، لیکن مول تول کے

اس کام میں جی نہ لگا اور آئے دن ، غیروں کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ اور گوشمالی سہنی پڑی جو کھلنڈرے بچپن کے چہرے پر روزانہ ایک تازہ خراش بن جاتی تھی۔

ماں اور باپ دونوں کو موسیقی سے لگاؤ تھا مگر یہ موسیقی بھی بلائے جاں ہوگئی ۔ اسکول سے چھوٹے تو دوکانداری ۔ دوکان سے چھوٹے تو باپ کے سامنے بھائی بہن کے ساتھ آواز ملا کر مذہبی دعائیں ، بھجنوں اور گیتوں کا سبق ، اس سے فرصت ہوئی تو ماں سے کچھ موسیقی ، کچھ مذہبی قصے کہانی سننا ۔ دوکانداروں کے ماحول میں ہر وقت سامان تولا جاتا تھا ، کھانے والوں کے منہ اور چھوٹے بڑے سکے گنے جاتے تھے ۔ ان کے توازن میں جتنا فرق آتا ، ماں باپ میں اسی قدر تو تکار بڑھتی اور بچوں پر مار پڑتی ۔ آتے جاتے گاہکوں کو ، گھر کے ایک گوشے میں دودھ جیسی تیز شراب کے گلاس پکڑانا ، دونوں وقت ملتے سُر تال کے ساتھ مقدس مذہبی کلام دوہرانا ، نیک اعمالی کی تلقین اور ہر غلطی پر گالی گفتار سننا اور نیک دل ماں کے ساتھ بدمزاج باپ کی بدسلوکی دیکھنا ۔ یہ روز کا معمول تھا ۔ غلیظ اور ڈوبتی ہوئی دوکان کے باہر کھلی ، شاداب دنیا تھی ، سرسبزی ، سمندر ، ریت ، سیپیاں ، بے فکر لڑکے ، دوکان کے اندر بڑھتا ہوا ادبار ، پھٹکار ، قرضے ، جو آزادی دادا نے اتنے جتن کر کے کمائی تھی ، اس کی ناقدری اور دوکان کے پردے کی آڑ میں سات آٹھ آدمی کا ایک بے جوڑ خاندان ۔ روزہ نماز کی سخت پابندی ۔ یوں بھی جس کٹر روسی مسیحی فرقے سے گھرانے کا تعلق تھا ، اس کی عبادتیں طول طویل ہوتی ہیں ، رات گئے تک چلتی ہیں ۔ پھٹے جوتوں میں ٹھنڈے فرش پر گھنٹوں کھڑے رہ کر ، جھک کر ، روزہ رکھ کر دعائیں اور وظیفے دُہرانا ، پادری کے ساتھ ساتھ منہ کھولنا اور بند کرنا ، نہایت ہی ناگوار ورزش تھی ، اور اگر ماں کی رواداری اور خطاپوشی شامل حال نہ ہوتی تو "انتوشا" بھی پندرہ برس کی عمر کو پہنچنے تک ، دونوں بڑے بھائیوں کی طرح گھر چھوڑ کر نکل بھاگا ہوتا اور ہمیشہ کے لئے مذہب سے بیزار ہو جاتا ۔ عمر اور شعور کے ساتھ یادوں کی تلخی اور ناگواری بھی بڑھتی گئی ۔ بھائیوں اور دوستوں کے نام خطوط

میں اور بعض کہانیوں میں، اس کی جھلک ملتی ہے۔

طویل افسانے "تین سال" میں کہانی کا ہیرو "لاپتیف" اپنے چھوٹے بھائی فیودر کو، جس کے دماغ میں ممتاز بیوپاری اور نامور شہری کہلانے کا خبط سمایا ہے اور جو اخبار کے نام اپنے ایک بیان کا مسودہ سنانے آیا ہے، یوں ڈانٹتا ہے،

کہاں کا ممتاز گھرانا! بڑے آئے ممتاز گھرانے والے! ہمارے دادا زمینداروں کے ہاتھ سے پٹا کرتے تھے اور کوئی بھی ادنےٰ درجے کا کمینہ عہدہ دار ان کے منھ پر تھپڑ مار دیا کرتا تھا۔ دادا نے ہمارے باپ کی پٹائی کی، باپ نے میری تمہاری مرمّت کی..... ہر قدم اٹھاتے ڈرتا ہوں جیسے کوئی مجھے پیٹنے والا ہو----

شدید تضادوں سے گھری ہوئی پنپتی ہوئی اس زندگی کے متعلق مشہور انگریز مصنف جے.بی.پریسٹلے J.B.PRIESTLEY نے ایک ایسی بات کہی ہے جو سلاف قوموں کے مزاج پر اینگلو سیکسن نسلوں، خصوصاً انگریزوں کے پرانے تجزیے کا خلاصہ معلوم ہوتی ہے:

روسی زندگی میں حیرت انگیز شعبدہ ہے کہ تاریکی اور مصیبت میں پڑ کر وہ اچانک دھوپ اور آسائش کا طلسم باندھ دیتی ہے۔ یہ حقیقت انتون چیخف سے بہتر شاید ہی کسی پر روشن ہو۔○

جس باپ کی جھڑکیوں اور قمچیوں کی دہشت طاری رہتی تھی، وہی باپ موسیقی اور مصوری کی ابتدائی مشق میں ان بچوں کا استاد بھی تھا۔ عجب نہیں کہ دوکان ڈبونے میں اس کی فنکارانہ صلاحیتوں کا بھی دخل رہا ہو۔ مادرِ مہربان کی مامتا، قصے کہانیاں، دور دراز کے سیر سپاٹوں کی داستانیں کئی سال تک سختیوں کو نرمیوں سے بدلتی رہیں ــــ آخر تھک ہار کر رہ گئیں اور خاندان تنگ دستی اور قرض خواہوں کی تکرار سے دبتا چلا گیا۔ بعد کی عمر میں انتون چیخف اکثر دوستوں میں کہا کرتا تھا کہ ہم بہن بھائیوں کو ذہانت اپنے باپ سے ملی اور ذہنیت یا روح اپنی ماں سے۔ تگان روگ جیسے اُجڑے دیار میں،

---

○ جے۔بی۔پریسٹلے۔ INTERNATIONAL PROFILES۔ چیخف ص۴۲ ۔ ۱۹۷۰ لندن

جسے چے خف اکثر " سراسرالشیائی " کے نام سے یاد کیا کرتا تھا ، جہاں کھانے ، پینے ، سونے اور بچے پیدا کرنے کے سوا لوگوں کو کچھ کام نہ تھا ، ضرور کوئی ایسی بات ہوگی جو روز صبح سویرے اسکول جانے والے ذہین بچے کے مشاہدے پر صیقل کرتی ہوگی ۔ سڑکوں پر پڑے پھرتے لوگ ، میلے کچیلے لڑکے ، دوکاندار ، جھگڑالو بیویاں ، اَن پڑھ مداری ، نیم حکیم ، ماؤں کی گود میں دودھ چوستے بچے ، سفید چونا پھری دیواریں ، باغیچے ، پھلوں کے سڑتے ہوئے ڈھیر ، کبھی کبھی غیر ملکی جہازوں کی لنگر اندازی ، اجنبی مسافر اور انجانی زبانیں ۔ اور پھر اسی شہر میں یونانی تاجروں اور اہلکاروں کے محلے بھی تھے ۔ ان کے اسکول عام روسی اور یوکرینی اسکولوں سے بہتر حالت میں رہتے تھے ۔

ایسے ہی ایک ابتدائی اسکول میں عمر کے ساتویں سال انتون کو داخلہ ملا ۔ بڑا بھائی نکولائی بھی ساتھ ہی داخل کیا گیا ۔ ایک بڑے سے کمرے کے اندر آگے پیچھے پانچ کلاسیں ، بچوں کا شور ، استادوں کا بے دردانہ برتاؤ ۔ سال بھر بعد دونوں کو یہاں سے اٹھا کر ایک سرکاری ہائی اسکول میں داخل کر دیا گیا ۔ جہاں یونانی اور قدیم لاطینی زبانیں بھی پڑھائی جاتی تھیں ۔

سات سے سترہ برس کی عمر تک کے اسکولی ماحول میں نوعمر انتون نے جو کچھ دیکھا اور برتا اس کے نقش اتنے اَمِٹ تھے کہ کئی اہم کہانیوں میں اُبھر آئے ہیں ۔

" یونانی زبان کا استاد " " گھائی میں " " اسٹیپی " اور " کنویں کا مینڈک " ○ افسانے جنھوں نے عالمی شہرت پائی ، انھی قصباتی گلیوں ، اور افسردہ ، غلامانہ اسکول سے اُتاری ہوئی تصویریں ہیں ۔

قابلِ قدر اور ہمدرد استادوں کے درمیان ایسے ناہنجار بھی ہوں گے جو اپنے ناکارہ پن کا انتقام طالب علموں اور ہم پیشہ ساتھیوں سے لیا کرتے تھے ۔ اس قسم کے کرداروں

---

○ اس کہانی کا جو اردو میں مندرجہ بالا عنوان سے شائع ہوئی ۔ روسی عنوان یوں ترجمہ ہونا چاہیے تھا : آدمی خول میں ۔ روسی الفاظ چپکا دیے ہیں ۔

کا خاکہ اُڑانے کی اُمنگ نے چودہ پندرہ برس کے لڑکے انتون کو قلم سنبھالنا اور ایکٹنگ کرنا سکھادیا۔ پادری، پروفیسر، دانت کا ڈاکٹر، اہلکار، ضلعدار، باری باری سبھی کی پیروڈی لکھی گئی اور خود "مصنف" نے بڑے بھائی الیکساندر یا نکولائی، ورنہ چھوٹی بہن ماریا کی مدد سے ان ادبی شرارتوں کو گھریلو اسٹیج پر پیش کر دیا۔ یہیں سے گویا مستقبل کے افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار کی اُٹھان ہوئی۔

۱۸۷۴ء میں انتون کے باپ نے چار کمروں کا ایک مکان تعمیر کرایا۔ مکان بھی بُرا اور مہنگا بنا، قرضہ بھی چڑھ گیا۔ آخر تنگ آکر اس نے دیوالہ نکالنے کا اعلان کر دیا اور قرضخواہوں کی گرفت سے بچنے کے لئے کسی طرح چھپ چھپاکر تگان روگ سے ماسکو نکل گیا۔ مکان اور سارا سامان انتون کے دیکھتے دیکھتے نیلام ہوگیا۔

حالات اور مشاہدات کس طرح حسّاس ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس کا اندازہ ایک روسی مصنّف، اے روسکن کے بیان سے ہوتا ہے جس نے چے خف کی نوجوانی کے واقعات کی کڑیاں اپنی تصنیف "انتوشا چے خونتے" میں جوڑ کر دکھائی ہیں۔ ○ لکھتا ہے کہ

چے خف کی کہانی "غیر کی بپتا" میں آپ بیتی کی جھلک آگئی ہے کہانی کے نیلام شدہ مکان میں اس کے نئے مالک داخل ہوئے تو "سب سے پہلے جو چیز نظر پڑی وہ تھی ...... پچھلے مکینوں کے آثار، کہ ہر طرف بکھرے پڑے تھے، سبق کے اوقات، پروگرام بچکانہ تحریر کے نمونے، گڑیاں جن کے سر غائب تھے، چڑیوں کے پنجرے جو کباڑ خانے میں ڈال دیے گئے تھے، ایک دیوار پر لکھا تھا "نتاشا بے وقوف" اور ایسی ہی باتیں۔ "غیر کی بپتا" یاد نہ آئے، اس کے لئے ضروری تھا کہ جابجا قلعی کرائی جائے، کونچی پھروائی جائے، توڑ پھوڑ کی جائے اور کاغذ چپکا کر انہیں آنکھوں سے اوجھل کیا جائے......"

---

○ A-ROSKIN - سوویت کی پبسائل پبلشرز - ماسکو - ۱۹۴۰ء

چے خف کا ایک موجودہ سوانح نگار رونالڈ ہنگلے (RONALD HINGLEY) اس واقعے کے بارے میں لکھتا ہے: ○

مکان اور فرنیچر کا ہاتھ سے نکل جانا، وہ بھی باپ (پاول چے خف) کے دیوالیہ پن اور فرار کے فوراً بعد، اس خاندان کے لئے ایک بلائے جان ثابت ہوا - انتون جو اس وقت سولہ برس کا ایک ذہین اور حساس لڑکا تھا، اس صدمے سے بیتاب ہوئے بغیر نہ رہ سکا - ۲۷ سال بعد، جب اس نے "بیری باغ" (شہرۂ آفاق ڈرامہ) لکھا، تب تک وہ بھولا نہیں تھا کہ اپنے گھر سے بے گھر ہونا دل پر کیسا گزرتا ہے، تاہم، اِن مصائب کے باوجود، جہاں تک انتون کی اٹھان کا تعلق ہے، خاندان کا شہر سے چل دینا، اس کے حق میں گویا خیر و برکت کا بھیس بدل کر نازل ہونا تھا.....

پہلے تو باپ نے یہ سوچ کر تگان روگ چھوڑا کہ ماسکو میں پھر سے کاروبار جمالیں گے. دونوں بڑے لڑکوں کے پاس رہنے کا ٹھکانا تو تھا، ذریعہ معاش نہ تھا. ابھی وہ زیر تعلیم ہی تھے - سال بھر بعد پورا کنبہ یہیں آپہنچا - صرف ایک منجھلا لڑکا، انتون، جسے اپنی تعلیم مکمل کرنے کی دُھن تھی، تگان روگ میں رہ گیا اور تین سال تک یہیں تنہا رہا - یہی جو ہمارا موضوع ہے۔

۷۹ - ۱۸۷۷ کے تین سال اس کی زندگی میں کئی لحاظ سے اہم گزرے ہیں، اسکول سے وقت بچا کر پرائیویٹ ٹیوشن دینا، گرمی کی چھٹیوں میں محنت مزدوری کرنا، ماسکو میں اپنے بھائی کے ذریعے مزاحیہ رسالوں میں ہلکے پھلکے مزاحیہ مضمونچے چھپوانا ـــ اور ان تمام سبیلوں سے جو کچھ آمدنی ہوتی، اسی کا ایک حصہ جیسے تیسے بچا کر ماسکو میں گھر والوں کو منی آرڈر کرنا ـــ اور حرف شکایت لب پر نہ لانا - گھرانا گیا تو گھر پر موسیقی کی جبری تعلیم، مذہبی اَوراد و وظائف کی بے روح تکرار اور قمچیوں کی مار، وقت ناوقت ادبار کی شکایت اور گھریلو ناگواریوں سے بھی فرصت ہوگئی - پچھلے برسوں میں انتون کا تعلیمی ریکارڈ کچھ اچھا نہ تھا، اگلے

---

○ RONALD HINGLEY - A BIOGRAPHICAL & CRITICAL STUDY لندن ۱۹۵۰

تین سال میں اس نے جی لگا کر آزادانہ محنت کی تو اس کوتاہی کی بھی تلافی ہو گئی۔ شرارت بھرے ڈرامے کرتے اور شہر کے تھیٹر کے پھیرے کرنے میں بھی ہرِیا گھُس گیا۔ جس سے اس کی ڈرامہ نگاری کے شوق کو اور شہ ملی اور کردار میں صلابت آئی، کمر ہمت مضبوط ہوئی۔

۱۸۷۸ء میں چھوٹے بھائی میخائیل نے انتون کے نام اپنا خط ان لفظوں پر تمام کیا تھا

کمترین، بے حیثیت بھیّا کی طرف سے

انتون نے فوراً سخت لفظوں میں بھائی کو ٹوکا کہ خبردار، خود کو کمترین شمار نہ کرنا۔○

"لوگوں کے درمیان اپنی صلاحیت اُجاگر کرنی چاہئے۔ بھلا، تم کوئی جعل ساز نہیں ہو؟ ایک دیانت دار آدمی ہو۔ معمولی حیثیت کا دیانت دار آدمی جو تم میں موجود ہے، اس کا احترام کرو اور خوب سمجھ لو کہ کم حیثیت لیکن ایماندار ہرگز کمترین یا بے حیثیت نہیں ہوتا"...

یہیں اس نے کئی ڈراموں کے ابتدائی نقش کاغذ پر اُتارے، جن میں "یتیمی" /Безотцовщина/ نے بعد میں کافی شہرت پائی۔

روز کی اس جدّ و جہد میں انتون اپنے معصوم اور شوخ بچپن کے مرحلے سے ایکدم جست لگا کر نوجوانی کے مرحلے میں داخل ہو گیا۔ ایسا مرحلہ جہاں لڑکپن کے چونچلوں، ضدوں، آسائشوں اور نازبرداریوں کا کوئی دخل نہ تھا۔ تن تنہا رہ کر مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے علاوہ اس نے اِردگِرد کے اُن کرداروں کا، اُن خاندانوں کا بھی قریب سے مطالعہ کیا جو ۱۹ ویں صدی کے قصباتی روس کی سچی نمائندگی کرتے تھے۔

ان دنوں نوجوانوں میں خفیہ انقلابی اور احتجاجی تحریکوں کے پنپنے کے ساتھ ساتھ شاہی شکنجہ بھی سخت ہو گیا تھا اور تعلیمی ادارے خاص کر اس کی زد میں آتے تھے۔ اسکول میں بھی مانیٹروں سے لے کر ہیڈ ماسٹر اور وہاں سے وزارت تک خفیہ شکایتوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ لیکن یہیں دینیات کا ایک استاد فادر پوکروفسکی، جسے دینیات سے زیادہ ادبیات اور سیاسی لٹریچر سے دل چسپی تھی، انتون کا ذہنی رہنما بن گیا۔

---

○ BY GILTOVICH_LETOPICE ZHIZNY.A.F.Ch _ ماسکو ١٩٥٥ء

اسی نے سُجھایا کہ تم " انتوشا چے خونتے" کے قلمی نام سے لکھا کرو ۔ چناں چہ شروع کی تحریروں پر یہی نام آج تک محفوظ ہے ۔ اُس زمانے کے جمنازیم یا ہائی اسکول کا آخری امتحان پاس کر لینے پر اچھی خاصی سرکاری ملازمت مل جایا کرتی تھی...... پوشکن اور اس کے ہمعصروں میں کئی ایک نے تعلیمی نظام کے استبداد سے نجات پانے اور انفرادی آزادی حاصل کرنے کی خاطر یہی راہ اختیار کی تھی ۔ انتون پاولووچ نے امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا ، وہ ضرورتمند بھی تھا ، لیکن اس نے کوشش کر کے ضلع کا وہ سرکاری وظیفہ حاصل کر لیا جو سال میں کسی ایک لائق طالب علم کو ہی اعلا تعلیم کے لئے دیا جا سکتا تھا ۔ بھرے بھرے جسم کا یہ دراز قامت ، جامہ زیب نوجوان پہلی بار اپنی پسند کا لباس بنوانے کے قابل ہوا تھا ۔ اسی لباس میں وہ " ناپسندیدہ " بے روح بستی چھوڑ کر نکلا ۔

جب لڑکے آپس میں پوچھتے ، تم آئندہ کیا بنو گے ؟ تو انتون شرارت سے جواب دیتا " مَیں تو پادری بنوں گا " ظاہر ہے کہ اس کے مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ بات محض مذاق معلوم ہوتی تھی ۔ خدا جانے کیسے فیصلہ کیا کہ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی جائے ۔ ایک جرمن ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا تھا ، شاید وہیں سے اس پیشے کی افادیت اور اہمیت کا خیال آیا ہو ۔ تب تک روس میں خصوصاً جرمن اور یہودی قابلِ اعتبار ڈاکٹر شمار ہوتے تھے ، ممکن ہے اس تصوّر یا وہم سے چھٹکارا پانے کی خاطر اس نے میڈیکل فیکلٹی میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا ہو اور اس غرض سے ماسکو یونی ورسٹی سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی ۔

اگست ۱۸۷۹ء میں جب انتون چے خف ماسکو روانہ ہوا تو اس کی جیب میں سو روبل کی " وافر رقم " تھی ، ہائی اسکول کا سرٹیفکیٹ تھا اور سفر کا شناختی کارڈ تھا○ جس پر یہ حلیہ درج کیا گیا تھا !

عمر ۱۹ سال ، قد چھ فٹ میں پاؤ انچ کم ۔ بال اور بھویں سنہری ۔ آنکھیں بھوری ، ناک ، دہانہ اور ٹھوڑی متناسب ۔

---

○ اس کارڈ کا رواج اب تک ہے اور اسے پاسپورٹ کہتے ہیں جو ہر ایک شہری کو اپنے پاس رکھنا لازم ہے ۔

جنہوں نے اس عمر میں دیکھا ، انہوں نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ وہ ایک جاذبِ نظر ، خوش مذاق، تازہ دم ، شگفتہ ، ہنس مکھ اور شوشے چھوڑنے والا نوجوان تھا، بات بات میں ہلکا سا طنز، اور تنہائی میں سنجیدہ یا کسی قدر ملول۔

اسی عمر میں ہجوم افکار ، کثرتِ کار ، بے آرامی اور حسّاس ذہن کے کچوکوں نے ، آگے چل کر اُسے بیماریوں کی آماجگاہ بنا دیا۔ بیماری کا سلسلہ تبھی شروع ہو چکا تھا۔

## (۲)

".....بیمار آدمی ہوں ، ادب ہی وہ شکتی ہے جو مجھ میں جان ڈالتی ہے....." (چے خف)

پہلی ستمبر ۱۸۷۹ء کی صبح پاول چے خف کے بیٹے انتون پاولووچ کو ماسکو یونی ورسٹی کے میڈیکل شعبے میں داخلہ مل گیا اور پہلے سال کے طالب علموں سے اس کا میل جول بھی شروع ہو گیا۔ اس کے ایک ہم سبق ڈاکٹر چلینوف نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ یہ لڑکا اچھا ساتھی نکلا.....

سماجی زندگی سے اسے گہری دل چسپی تھی ، اکثر وہ آس پاس کے علاقوں کی سیر کو نکل جاتا ، لیکن طالب علموں کی سماجی اور سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر شریک نہ ہوتا....."

ان دنوں ماسکو یونی ورسٹی اور ملک کے خاص خاص تعلیمی ادارے نوجوانوں کی باغیانہ اور خفیہ سرگرمیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ داخلوں پر بھی بڑی پابندیاں عائد تھیں، داخلہ ملنے سے پہلے طلبہ کے خیالات اور سیاسی چال چلن کی جانچ پڑتال ہوتی تھی۔ "عوامی رائے" /Народная воля/ نام کی دہشت پسند تحریک زوروں پر تھی۔ اور اس کی باگ ڈور تھی پڑھے لکھے جوانوں کے ہاتھ میں ، جو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ زار شاہی کے

مظالم سے نجات پانی ہے تو بے عمل جنتا کے ناکارہ ہجوم میں سے چند سرفروشوں کو اُبھار کر براہِ راست، جان لیوا کارروائی میں ڈال دینا چاہیے۔

چے خف پر ایک مختصر مگر قیمتی کتاب کے روسی مصنف وَدا ووَزف ○ نے یہاں بخیالِ خویش ایک غلط فہمی کو دور کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ چے خف سیاسی زندگی سے بیزار کبھی نہیں رہا، البتہ اُن طریقوں سے بیزار یا مایوس تھا جو سیاسی ذوق کے نوجوانوں میں مقبول ہو گئے تھے۔

"کافی عرصے بعد اپنے افسانے 'نامعلوم آدمی کی کہانی' میں چے خف نے انفرادی دہشت پسندی کے طور طریقوں سے اپنی بے تعلقی یا بیزاری صاف لفظوں میں ظاہر کی ہے۔ طالب علمی کے دنوں میں ہی چے خف نے یہ رویہ اختیار کر لیا تھا اور تبھی سے اس نے جدوجہد کا دوسرا راستہ اپنا لیا تھا، یعنی: روس کی موجودہ حقیقی زندگی میں جھوٹ، فریب اور شر کا پردہ تخلیقی عمل کی نوک نشتر سے چاک کیا جائے۔۔۔۔"

ماسکو میں ان دنوں مزاحیہ، طنزیہ، ادبی رسائل نکلتے اور بند ہوتے رہتے تھے۔ چے خف کو اسکول کے زمانے سے ان میں لکھنے کی چاٹ پڑی تھی، ماسکو آ کر وہ یونیورسٹی کی شبانہ روز محنت سے وقت نکال کر باقاعدگی کے ساتھ ان رسالوں اور ہفتہ واروں میں لکھنے لگا۔ اب ان رسالوں کے فائل بھی محفوظ نہیں رہے ہیں، صرف نام رہ گئے ہیں، مثلاً "خرمگس" /Острокозы/ "کرچیں" /Осколки/ الارم گھڑی — /Будильник/

ماسکو پہنچ کر اُسے پتہ چلا کہ ماں درد بھرے اور تقاضوں کے خط کیوں لکھتی ہو گی شہر کی ایک بدنام بستی میں، پرانے مکان کا سیلا ہوا تہہ خانہ، چولہا سُلگتے ہی در و دیوار سے بھاپ اٹھتی، سڑک پر کھُلنے والی بند کھڑکیاں، جن میں سے صرف راہگیروں کے جوتے

---

○ مثلاً N. VODOVOZOV "V. POMASH LEKTORY". ماسکو. ۱۹۵۴

نظر آتے، اسی میں آٹھ آدمیوں کی فاقہ مستی اور قرضداری۔ انتون پاولووچ نے آتے ہی چار مہینے کے وظیفے کی رقم (۱۰۰ روبل) سے قرض کا بوجھ ہلکا کیا، ساتھ میں دو ہم وطن لڑکوں کو اسی گھر میں ماہانہ رقم کے عوض ٹھیرا لیا، بعد میں ایک لڑکا اور رہنے چلا آیا، یوں چار نوجوانوں کی آبادی، جن میں سے ہر ایک آمدنی کا ذریعہ تھا۔ گھر کے دِلدّر دور کرنے میں کچھ کارآمد ہوگئی۔ باپ نے شہر کے دوسرے کنارے پر چھوٹی سی ملازمت کرلی۔ بڑے بھائی ایوان کو چند میل کے فاصلے پر ایک اسکول میں ٹیچر کی جگہ مل گئی۔

شہر میں ادبی حلقے موجود تھے، لیکن ۲۱، ۲۲ برس کا یہ قصباتی طالبِ علم اپنی ہنرمندی اور لیاقت کے باوجود نہ تو اُن سے روشناس ہوسکا، نہ گھر اس قابل تھا کہ کسی کو دعوت دے سکے، نہ اتنی حیثیت تھی، نہ اس کی فرصت۔ لکھنے میں طنز پسند فطرت کے تقاضے کے علاوہ ایک مجبوری بھی شامل تھی۔ کہ زیادہ سے زیادہ لکھ کر گھر کا خرچ پورا کیا جائے۔ اب گھر کے سبھی لوگ، یہاں تک کہ بڑا بھائی الیکساندر بھی، جس نے شادی رچالی تھی، رات گئے تک قلم تھامنے والے اِنھی ہاتھوں کے دست نگر ہوچکے تھے جن ہاتھوں پر چند سال پہلے قمچیاں پڑا کرتی تھیں۔

۱۸۸۰ میں چے خف کا پہلا باقاعدہ افسانہ "خرمگس" "Стрекоз" رسالے کے دسویں شمارے میں شائع ہوا، عنوان تھا 'عالم فاضل پڑوسی کے نام ایک خط' یہ افسانہ جوں کا توں محفوظ ہے اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مصنف کے نزدیک مزاحیہ تحریریں صرف ہنسنے ہنسانے کا بہانہ نہیں تھیں بلکہ ان کی سطح کے نیچے ایک دلِ دردمند، ایک طنز آلود جذبہ پوشیدہ تھا، جس کی قدر و قیمت کا تعین خود مصنف بھی نہیں کرسکا تھا۔

۱۸۸۱ء میں ایک ایسا دھماکا ہوا جس نے ڈاکٹری کے اس بظاہر بے ضرر طالبعلم کو متاثر کیے بغیر نہ چھوڑا۔ شہنشاہ الیکساندر دوئم کو، جو اپنی طبیعت سے ایک بُردبار اور اصلاح پسند بادشاہ تھا۔ باغیانہ گروہ نے قتل کردیا اور اس کے فوراً بعد الیکساندر

سوئم کے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی روشن خیال لوگوں پر زور ظلم کا تار بندھ گیا۔ جواب میں ادھر بھی جلسے، جلوس، نعرے اور گرما گرم تقریریں، خفیہ اسلحہ سازی کی سرگرمی تیز ہوگئی۔ دو سال کے اندر مزدوروں کی ہڑتالیں منظم کی جانے لگیں اور روس میں پہلا مارکسی گروہ وجود میں آیا جس کا نام تھا "محنت کے بندھن توڑ"۔

تب تک انتون پادلووچ کو پیشہ ور ڈاکٹر بننے کی زیادہ فکر تھی۔ اگرچہ اس کے دوستوں میں اپنے ہم سبق نہیں، بلکہ ادب اور خاص کر تھیٹر سے دل چسپی رکھنے والے زیادہ نمایاں تھے، تاہم اسے لگن تھی کہ کسی طرح پانچ سال کا یہ ڈاکٹری کورس پورا کرکے باقاعدہ تنخواہ یا آمدنی کی سبیل نکالی جائے اور یوں بچپن سے آج تک کی مفلسی کا بار اُتار دیا جائے۔ لکھنے لکھانے سے تھوڑی بہت آمدنی تو ضرور ہو جاتی" اور ماہانہ بل ادا کر دینے میں بھی مدد ملتی، لیکن پوشکن سے لے کر دستوئیفسکی تک اس صدی کے ان روسی اہلِ قلم کی مثالیں بھی عبرت ناک تھیں جو مفلس، بیمار، یا قرضدار مرے۔ روسی نسل کی ایک پناہ گزیں اہل قلم خاتون پرنسس نینا تومانووا نے چے خف پر افسانوی رنگ میں بڑی مفصّل اور دل چسپ کتاب لکھی ہے جو ۱۹۳۷ء میں لندن سے شائع ہوئی تھی، اس کے یہ دو اقتباسات چے خف گھرانے اور خود افسانہ نگار کی حالت کا آئینہ ہیں ○

"اتنے سارے رسالوں کے پسندیدہ مضمون نگار ہونے کے باوجود چے خف مفلس کا مفلس رہا۔ اس نے (۱۹ مئی ۱۸۸۳ء کو) اپنے بھائی الیکساندر کو لکھا کہ مہینے میں سو روبل جو میں کما لیتا ہوں، وہ پیٹ بھرنے میں کھپ جاتے ہیں، اتنا بھی نہیں بچتا کہ بھورا، مٹیالا، پھٹا پرانا اوور کوٹ اتار کر اس کے بجائے کچھ کم پرانی چیز بدن پر ڈال لوں!... پورے سال بھر تک رقم پس انداز کی، تب کہیں نیا اوور کوٹ جڑا۔ (اگلے

---

○ TOUMANOVA PRINCESS_N.A. JONATHAN CAPE. لندن

ص ۳۵ ص ۲۷

سال اسی مہینے ایک اڈیٹر پبلشر) لائکن کو خط لکھا ' درزی نیا کوٹ سی لایا ۔ مبارک باد'۔
چے خف کے دونوں بھائی الیکساندر اور نکولائی ذہین اور ہونہار تھے ، تینوں بھائیوں کے ہم مذاق دوستوں کا حلقہ کافی وسیع ہوگیا ۔ گھر پر وہ بھی آنے جانے لگے ۔ خرچ تو بڑھا ، رقم کی وصولی نہ بڑھی ۔ ماسکو کے عام رسالے نئے لکھنے والوں کو بمشکل پانچ سے سات کاپک فی سطر معاوضہ دیا کرتے تھے ۔ چے خف کا پہلا ناول ۔ 'افسوسناک شکار' (THE TRAGIC HUNT) ۳۲ قسطوں میں ایک رسالے میں چھپا اور طے پایا تھا کہ تین روبل ہفتہ ادائگی ہوا کرے گی ۔ چھوٹے بھائی میخائیل کو وصولی کے لئے بھیجتے تو وہ اڈیٹر کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ جاتا ۔ گھنٹوں بعد یہ مکالمہ سنائی دیتا !

"آپ کو کس کا انتظار ہے ؟"

"جی ، میں تین روبل لینے آیا تھا "

"میرے پاس تو ہیں نہیں ، شاید آپ کو تھیٹر کا ٹکٹ چاہیے ہو ، وہ لے لیجیے ۔ شاید نیا پتلون لینا ہو ، تو میرے فلاں درزی کے ہاں چلے جائیے اور میرے حساب میں پتلون بنوا لیجیے "

۸۳-۱۸۸۱ء کے دوران چاروں طرف سیاسی واقعات کی رفتار اتنی گرم ہوگئی کہ چے خف نے اپنے ہلکے پھلکے صحافیانہ مضامین اور چٹ پٹی مزاح نگاری کو مشکوک نظر سے دیکھنا شروع کردیا ۔ اس موقع پر چے خف کے مستند تنقید نگار دُدا دوزف کا بیان نقل کرنے کے قابل ہے :

جب اسے یقین آچلا کہ چوطرفہ ناگوار اور بیمار زندگی کا توڑ محض قہقہے سے نہیں ہوسکتا تو اچانک تائید اور ہمدردی کی ایک آواز اس تک پہنچی ، یہ آواز تھی روس کے ناولسٹ ، صاحبِ نظر اور با اثر ادیب گری گوری وِچ کی ، اس نے نوعمر چے خف کے اصل جوہر کی داد دی ، کہ یہ ہے وہ صلاحیت جو نئی نسل کے اہل ادب کے دائرے

سے بہت آگے جانے والی ہے ۔ اصرار کیا کہ وہ اپنی اس صلاحیت کو چھوٹے موٹے ہنگامی کام میں ضائع نہ کرے بلکہ ایسی تحریروں میں لگائے جنھیں خوب سوچ سمجھ کر، سنجیدگی سے، ناپ تول کر تیار کیا گیا ہو ——اور صرف ایک نشست میں نہ کھینچا ہو○ مگر یہ واقعہ یونی ورسٹی سے ڈاکٹری کی سند لے چکنے کے دو سال بعد ( ۱۸۸۶ء ) کا ہے ، کیوں کہ گری گوری وچ کے اس خط کے جواب میں چے خف نے اپنی کوتاہی تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

اب تک جتنا کچھ میرے قلم سے نکلا اس سے مجھے بھی تسلی نہیں ہوتی ۔ تاہم ابھی میری عمر ۲۶ سال ہے ، ممکن ہے کسی قابل کوئی کام کرنے کا وقت مل جائے ، اگرچہ وقت تیزی سے نکلا جا رہا ہے ۔

۱۸۸۴ء میں جب آخری امتحان پاس کرکے چے خف نے اپنے نام کے آگے ڈاکٹر کا لفظ بڑھایا اور اس نام کی تختی دروازے پر ٹانگی ○○ ۔ اسوقت تک توجہ ، محنت اور فارغ البالی کی امیدوں کا مرکز یہی ایک لفظ تھا ۔ برسوں بعد مصنّف پچھتاتا تھا کہ گھر بار کی بدحالی نے اُسے ایک زمانے تک موقع ہی نہیں دیا کہ خود کو ادب کے لئے وقف کر سکے ۔ روپیہ بٹورنے اور گننے سے اسے سخت نفرت تھی، لیکن روپیہ بنانے کی خاطر ہی اسے قلم گِھسنا پڑتا تھا ۔

بعد کی زندگی میں اسے پوری طرح اندازہ ہوا کہ حاجتمندی اور مفلسی اس کی راہ میں کیسی حائل رہی ہیں ۔ اپنی ابتدائی مشکلات کا مقابلہ وہ ان ادیبوں کی آرام دہ زندگی سے کیا کرتا تھا جو امیر گھرانوں سے آئے تھے مثلاً تورگینف اور تالستائے

---

○ گری گوری وچ کو ۱۹ ویں صدی کے روسی ادیبوں میں وہی اہمیت حاصل ہے جو سراج الدین علی خاں آرزو کو ۱۸ ویں صدی کے اردو ادب میں ۔ جو مقامی زبان اور ہونہار ادیبوں کی سرپرستی اور ہمت افزائی کیا کرتے تھے ۔

○○ یہ تختی آج بھی چے خف میوزیم میں محفوظ ہے ۔

کہ " انھیں قدرت کی طرف سے وہ شے تحفے میں مل جاتی ہے، جو ہم جیسے نیچے
کے طبقے سے آئے ہوئے لوگوں کو اپنی نوجوانی (کی راحتیں) دے کر خریدنی پڑتی ہے"
زندگی کے بہترین دور کی راحتیں قربان کر کے جو ڈاکٹری کی سند حاصل کی، وہ
کئی لحاظ سے مفید ثابت ہوئی : ایک تو یہی کہ روس کے دیہات میں علم اور صحت
کی سقیم حالت پر جو غم و غصہ تھا ، اب اس کی تھوڑی بہت تلافی کی صورت نکل آئی،
نوکِ قلم اور نوکِ نشتر دونوں اس رستے ہوئے ناسور تک بیک وقت پہنچ سکتے
تھے ، دوسرے یہ کہ ذریعۂ معاش کی طرف سے یک گونہ بے فکری ہو گئی ، تیسرے
لفظوں کے ساتھ براہِ راست سائنسی برتاؤ ، ایجاز ، اختصار ، استعاروں کی قطعیت،
ماحول کے بیان میں محض ضروری اور متعلقہ چیزوں سے سروکار رکھنا روزمرہ کا
معمول بن گیا۔

بعد میں چے خف کے بھائی میخائیل نے مصنف کی کہانیوں کے موضوع پر
ایک کتاب شائع کی ، جس میں وہ لکھتا ہے کہ ادب اور ڈاکٹری کے درمیان ڈاکٹری
کا پیشہ انتخاب کرنے پر مصنف کو کبھی افسوس نہیں ہوا۔

"..... کیوں کہ قدرتی سائنس سے واقفیت نے اسے محتاط کر دیا۔ زندگی میں صحیح
سمت عطا کی ، اور بہت سی غلطیوں سے دامن بچا لینے میں مدد کی"

لفظ و بیان کے ساتھ چے خف کا جو عملی برتاؤ ہے ، اس میں قریب قریب
تمام روسی اور غیر روسی نقادوں نے سائنسی حقیقت پسندی اور کم سخنی کی جھلک دیکھی ہے
تگان روگ کی بے رونق زندگی ، باپ کی بے رحمی ، اور پھر خانماں بربادی کے
بعد اگر کوئی واقعہ چے خف کی ادبی سوانح میں اہم ہے جس نے کٹیلے طنز کو نرم ،
ہمدردانہ مزاح کے سانچے میں ڈھال دیا اور سماجی امراض کی گہرائی میں اتر کر ان
کی دریافت یا تشخیص کا مزاج پیدا کیا تو وہ یہی ڈاکٹری کی تعلیم ، ڈاکٹری کا ماحول
اور اس پیشے کے امکانات ، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ شہر سے باہر اور دور دراز کے
قصبات میں ہر قسم کے کرداروں سے روشناس کرایا ، ہر ایک گینڈے کے روگیوں کی

نفسیات سمجھنے میں مدد کی، یہ قلبی اطمینان بخشا کہ اس بگڑے ہوئے کارخانے میں کوئی نہ کوئی بوسیدہ مشین ایسی ہے جسے وہ کسی قدر سدھار سکتا ہے، کسی تاریک گوشے میں خیر و برکت کی قندیل جلا سکتا ہے —— بلکہ چے خف کے بعض بہترین افسانوں اور ڈراموں کے لئے کچا مال بھی فراہم کیا۔

بے محل نہ ہوگا اگر یہاں جے۔بی۔ پریسٹلے کی زبان سے یہی نکتہ نقل کر دیا جائے جو چے خف کی تمام طبی اور سماجی سرگرمی پر صادق آتا ہے:

"...... وہ اپنے اندازِ نظر اور افتادِ طبع دونوں میں ولیم بلیک (WILLIAM BLAKE) سے نہایت مختلف تھا۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ اگر اُسے بلیک کا یہ مشہور مقولہ معلوم ہوتا تو وہ اس کی بے پناہ داد دیے بغیر نہ رہتا۔ بلیک کہتا ہے۔

'جو شخص بھی دوسرے کے ساتھ بھلائی کرے اسے چاہیے کہ بہت ہی ذرا ذرا سی باتوں (PARTICULARS MINUTE) میں بھلائی کا برتاؤ کرے۔ عام یا ہمہ گیر بھلائی کے دعویدار چلتے پُرزے، مکار اور چکنی چپڑی باتیں بنانے والے ہوتے ہیں'

اس بات کی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں میں بھلائی کرنے سے چے خف کو کبھی عار نہیں رہا.....؛

۸۵-۱۸۸۴ء کئی حیثیتوں سے اس کی زندگی کے اہم سال ہیں۔ ایک تو اس نے پہلی گنجائش میسر آتے ہی مکان تبدیل کیا، جہاں گھر والوں کو فی کس ایک کمرہ اور ڈاکٹر انتون چے خف کو دو کمرے مل گئے۔ دوسرے ماسکو سے باہر کھلی قصباتی فضا۔ وسکرے سینسکی اور زوینی گرد کے ہسپتالوں میں عارضی ملازمت مل گئی، جہاں نزدیک ہی فوجی بارک بھی تھی۔ (ڈرامے "تین بہنیں" میں اس مقام کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے) اپنے اور دوستوں کے احباب میں فنکار اور قلمکاروں کی آمد و رفت بڑھ گئی۔ ڈاکٹروں کے بجائے ادیبوں اور مصوّروں سے تبادلہ خیال کے مواقع ملنے لگے۔ اور ہمت کر کے اپنے خرچ پر کہانیوں کا پہلا مجموعہ "میل پومنی کے قصّے کہانیاں" شائع کرا دیا۔

اخبارات و رسائل میں اب تک "انتوشا چے خونتے" ایک قلم گھسیٹ، مزاحیہ

مضمون نگار اور جرنلسٹ کی حیثیت سے روشناس تھا، اب اسے سنجیدگی سے پڑھا اور تولا گیا — تول میں وہ اپنے ہم عصر اہل قلم سے زیادہ وزنی نکلا۔

پریسٹلے نے اس دور کا جائزہ لیتے ہوئے بڑی نازک بات کہی ہے کہ بڑے شہروں سے کنارہ کر کے نوجوان چے خف کا فطرت کی آغوش میں، عام لوگوں کے نزدیک اور قصبات کی سادہ زندگی میں بار بار جاکر رہنا، زوینی گرد میں فن کے قدرداں کسیلیوف خاندان کے ساتھ ٹھہرنا، روزانہ کبھی فیس لے کر، کبھی فیس لیے بغیر دیہات کے مریضوں کو دیکھتے پھرنا اس میں ادبی ذہن کی نشوونما کے لئے بہت کارگر ہوا:

"ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیہات میں گرمیوں کا موسم گزارنے جو گیا تھا، وہ اے پی چے خف ڈاکٹر تھا، اور جو واپس ماسکو آیا وہ انتون چے خف ادیب تھا۔"

۱۸۸۸ء میں، جب ڈاکٹری کے پیشے میں وہ اچھا خاصا جم گیا، اور مصنف کی حیثیت سے روس نے بھی تسلیم کر لیا تو یہ جملہ اس کی زبان سے کئی بار ادا ہوا، یہاں تک کہ اپنے پبلشر دوست سووورین (SUVORIN) کے نام ایک خط میں لکھ دیا:

"ادب میری داشتہ ہے اور ڈاکٹری میری قانونی بیوی:..... آپ مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ ایک ساتھ دو خرگوشوں کا شکار نہ کروں —— اور اپنے ڈاکٹری پیشے کے متعلق سوچوں بھی نہیں۔ کیوں نہیں؟ مجھے یہ محسوس کرنے میں راحت و اطمینان نصیب ہوتا ہے کہ ایک کے بجائے دو دو چیزیں کرنے کو ہیں" ○

ڈاکٹری کے کام میں اکثر مفت خورے، قلاش، جان پہچان کے لوگ، کسان اور اہلکار اُسے گھیرے رہتے تھے۔ تشخیص کی خوبی اور انسانیت کا برتاؤ، عام ہمدردی بحیثیت معالج اُسے مقبول کرنے کو کافی تھے۔ لیکن یہ مقبولیت خود اُسے مطمئن نہ کر سکی۔ کئی رسالوں اور پبلشروں سے اس نے مستقل معاملہ کر لیا، جن میں دو کثیر الاشاعت رسالے

---

○ PISMA CHEKHOVA - سووورین کے نام - ترجمہ آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس - جلد اول - ۱۹۷۱

"پیٹرسبورگ اخبار" /Петербургская Газета/ اور "نیا زمانہ"
/Новое время/ اہم ہیں۔

پروفیسر سِمن (PROF. SIMMON) نے چے خَف کی سوانح حیات میں اِن پانچ برسوں کی تفصیلات بڑی دیدہ ریزی سے جمع کی ہیں اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جسمانی آسائش، تخلیق و تحریر کے عمل، احباب کی مجلس اور لوگوں کی طبّی خدمت کے یہ پانچ سال مصنّف کی زندگی کے بہترین اور زرخیز سال تھے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

گرمیوں کا موسم گزارنے کے لئے اپنے ملاقاتی خاندان کسیلیوف /Киселёв/ سے اس نے ماسکو سے ذرا فاصلے پر "بابکی نو" میں دیہاتی بنگلہ کرائے پر لے لیا۔ یہ خاندان صاحب اثر و رسوخ ہونے کے علاوہ ادب اور فن میں بھی دخل رکھتا تھا۔ مادام کسیلیوف خوش مذاق اور قلمکار خاتون تھیں۔ اُن کے باپ بیگے چیوف امپیریل تھیٹر کے ڈائرکٹر رہ چکے تھے اور ڈرامے کے فن پر گہری نظر رکھتے تھے۔ قدرتی فضا خوشنما اور گھر کی فضا بچوں اور دوستوں کی زندہ دلی سے خوشگوار تھی۔ عاشق مزاج اور ابھرتا ہوا مصوّر لیوی تان اکثر یہاں آتا رہتا تھا۔ خوبصورت، شاداب جوانیوں کی موجودگی اس تصویر میں رنگ بھر دیتی تھی۔ گداز باہوں سے بھی واسطہ پڑتا تھا، چے خَف کے نجی خطوط اس پر گواہ ہیں، لیکن معاملات آگے نہیں بڑھے۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ افسانہ نگار نے انھیں افسانوی رنگ اختیار کرنے سے پہلے ہی روک لیا کیوں کہ وہ ایک تو خود ابھی فن کی بے سمت راہوں پر بھٹکنے میں اور اگلے مرحلے کی تلاش میں مصروف تھا پھر یہ کہ گلے کی مستقل خراش اور نزلے کی کیفیت نے کسی گہری بیماری کا خدشہ اس کے دل میں بٹھا دیا تھا۔ (جو تپ دق بن کر سامنے آیا)، نوجوان عورتوں سے جذباتی تعلقات کے جتنے حوالے یا اشارے دوسروں کے تذکروں میں ملتے ہیں، ان میں کسی کا قابلِ ذکر سراغ چے خَف کے خطوط یا افسانوں میں نہیں ملتا — بلکہ اس کے برعکس، چھیڑ خانی اور زندہ دلی کے ساتھ ضبط و احتیاط کا انداز پایا جاتا ہے۔

رابرٹ پین (ROBERT PAYNE) جو انگریزی بولنے والی دنیا میں روسی ادبیات

کے ایک ماہر شمار ہوتے ہیں، چے خف کی جذباتی زندگی کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں ○۔ اُن کا کہنا ہے:

"زندگی کی جسمانی (حیوانی) لذتوں سے وہ لطف اندوز بھی ہوتا اور ان کا جشن بھی مناتا۔ شراب اور عورت کے بارے میں وہ ایک صاحبِ ذوق تھا۔ جنسی تعلقات کا پہلا تجربہ اسے ۱۳ برس کی عمر میں ہو چکا تھا۔ محبت کا یہ واقعہ بعد میں ایسے بے شمار واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔"

سوویت دور کے روسی تذکرہ نگاروں کے بیان اس کی تائید نہیں کرتے۔

بیگے چیوف کی وسیع نظر نے، جو اسٹیج کے فن کی رمز شناس تھی، چے خف میں ڈرامے کا پرانا دبا ہوا شوق ہی بیدار نہیں کیا بلکہ ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت سے اس کا گہرا علم بھی بخشا، اس نے ایکانکی ڈراموں سے ہٹ کر اسٹیج کے لئے تین اور چار ایکٹ کے مکمل ڈراموں پر دھیان دیا۔ ایک روز تالاب میں غوطے لگانے کے دوران دو گھنٹے میں ایک ایسی کہانی لکھ ڈالی جس نے راجدھانی پیتیر سبورگ کے اہلِ نظر کو چونکا دیا اور وہاں سے بلاوا آگیا۔

یہ کہانی ہے "Eгор" (شکاری)، جس پر تورگینف کے شکار ناموں والی کہانیوں کی پرچھائیں صاف نظر آتی ہے۔ کہانی میں خزاں کی ایک دوپہر کا ذکر ہے۔ شکاری مزے میں گھوم رہا ہے۔ مناظر فطرت سے لطف اندوز ہو رہا ہے کہ اچانک ایک عورت سامنے آجاتی ہے۔ کسی زمانے میں یہ اس کی بیوی تھی۔ وہ دیکھتے ہی "ایسی باغ باغ ہوئی کہ مسکراہٹ چھپانے کے لئے اپنے منھ پر ہاتھ رکھ لیا" اصرار کرتی ہے کہ گھر چلے چلو، تمھاری یاد بہت ستاتی ہے۔ ایگور باتیں تو لگاوٹ کی کرتا ہے لیکن گھر واپس جانے کو تیار نہیں۔ اسے اپنی یہ بے مرکزی، اور

---

○ THE IMAGE OF CHEKHOV - ROBERT PAYNE

(دیباچہ)۔ مطبوعہ لندن۔ ص XIV

خواب وخیال کی دنیا بھاگئی ہے ۔ کچھ وہ انداز ہے کہ

جس سمت کو چاہے صفتِ سیلِ رواں چل
وادی یہ ہماری ہے، یہ صحرا بھی ہمارا

وہ اب اس عورت کا، ایک چہار دیواری کا، کسانوں کی پابستہ زندگی کا زندانی ہوکر نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک بندھن سے بے نیاز یہ خوش باش شکاری سوجان سے قربان بیوی کے ہاتھ میں ایک روبل کا مڑا تڑا نوٹ تھما کر اپنی راہ لگتا ہے اور سرسوں کے سنہرے کھیت میں اس کی لال قمیص دور تک لہرا کر ڈوب جاتی ہے۔

اس کہانی میں بھی ۲۶ - ۲۵ برس کے نوجوان چے خف کی جذباتی زندگی لال قمیص کی طرح دور تک لہراتی نظر آتی ہے۔ صنفِ نازک سے یہ باہمہ اور بے ہمہ برتاؤ بھی، جو بچپن کے مصائب اور طالب علمی کے مسائل نے، ذمہ داریوں کے شدید احساس نے پختہ کر دیا تھا، بہر حال کار آمد ثابت ہوا ورنہ وہ آگے کے دشوار گذار سفر کے قابل نہ ہو سکتا۔

۱۸۸۵ء میں پیتربورگ کا یہ پہلا سفر گویا ادب اور فن کے مرکز میں ایک نئے باکمال ادیب کی آمد اور قبولیت تھی۔

اس زمانے میں یہاں سے نیا زمانہ /Новое время/ نام کا ایک ہر دل عزیز روزنامہ ہفتہ وار اڈیشن کے ساتھ نکلتا تھا○۔ اس کا اپنا پبلشنگ ہاؤس بھی تھا، ریلوے بک اسٹالوں کا اجارہ بھی اس کے پاس تھا اور سارے روس میں اس کی ایجنسیاں پھیلی ہوئی تھیں، تھیٹر کی دنیا میں اس کا عمل دخل ہو چلا تھا، اور ان سب کا مالک و مختار الیکسئی سرگے یِچ سُووورین۔ جسے روسی صحافت کی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔ اس تک رسائی حاصل کرنے اور نظر میں

---

○ آجکل اسی نام سے (NEW TIMES) جو ہفتہ وار نکلتا ہے اس کا اپنے ماضی سے کوئی تعلق نہیں۔

چڑھنے کا مطلب تھا پورے ملک کے اہلِ ادب تک ایک ہی جست میں پہنچ جانا۔
سووورین سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر بھائی کے نام ایک خط میں چےخف نے
کچھ اس طرح کیا ہے کہ یہ پہلو دار اور گہری شخصیت پہلی بار ہی اُبھر آتی ہے،

"ادلی نچکوف کے مکان میں اپنے لئے سجے سجائے کمرے پر اُترنے کے بعد میں نے ہاتھ منھ دھویا، نیا کوٹ پہنا، پتلون اور نوکدار بوٹ پہنے۔ پہلے تو میں پیتر سبورگ گزٹ کے دفتر گیا ○ وہاں سے "نیا زمانہ" کے دفتر گیا اور سووورین سے ملا۔ وہ بڑے خوش اخلاق آدمی ہیں، مجھ سے مصافحہ بھی کیا۔ کہنے لگے، 'میاں نوجوان اچھے جا رہے ہو، میں تم سے بہت مطمئن ہوں۔ ہاں چرچ جانے میں کوتاہی نہ کرنا، وودکا نہ پینا۔ ذرا سانس تو چھوڑو۔ میں نے سانس چھوڑا، سووورین نے دیکھا کہ وودکا کی بو نہیں آتی تو مڑ کر آواز لگائی لڑکے —— ایک لڑکا آیا، اسے چائے اور شکر کے ٹکڑے لانے کا آرڈر دیا۔ اس کے بعد جناب سووورین نے مجھے رقم دی اور کہا، آدمی کو روپے کے معاملہ میں محتاط رہنا چاہیئے —— اپنا پتلون کس لو۔"

اس ملاقات کی یہ تفصیل جاننا یوں ضروری ہے کہ اس کے بعد سے ۱۹ ویں صدی کے آخر تک چےخف اور سووورین کے تعلقات بنے رہے۔ یہ تعلقات نکتہ چینیوں کا نشانہ بھی بنے، اور زیادہ سے زیادہ سنجیدہ تحریروں کے منظرِ عام پر آنے کا بہانہ بھی۔ ادبی تواریخ میں ان تعلقات کی نوعیت پر بڑی حاشیہ آرائی کی گئی ہے۔ ○○

سووورین کی شخصیت اور اس کے اخبار اور اشاعت گھر کی سرکار پرست،

---

○ ان دنوں چےخف ماسکو کی عدالتوں میں اس اخبار کا رپورٹر تھا۔

○○ ملاحظہ ہو V. ERMILOV کی کتاب۔ سوانح۔ A. P Ch.
مطبوعہ ماسکو - ۱۹۵۱ - صفحات ۹۰ - ۸۵

تنگ نظر قوم پرست، یہود دشمن پالیسی، سرکار دربار میں اس کا رسوخ، بڑھتی ہوئی دولت اور قوت، ادیبوں کی جا و بے جا سرپرستی کا انداز سبب بن گئے ○ چے خف کی ذات پر، اس کی تحریروں کے غیر سیاسی اور بظاہر نا وابستہ رنگ پر، یاس پسندی کے زیر لب لہجے پر سخت تنقیدوں کا۔

چے خف سے متعلق سبھی معاصروں اور تنقید نگاروں نے اس تعلق کو مثبت یا منفی پہلو سے اہمیت دی ہے اور بعضوں نے یہاں تک کہا ہے (جس میں استالینی دور کے مصنف شامل ہیں) کہ چے خف سیاسی اعتبار سے ایک مُذبذب اور مالی لحاظ سے ہمیشہ ضرورتمند اور محتاط آدمی تھا، اس لئے وہ ایک دولتمند پبلشر کی عنایات کے جال میں پھنس گیا اور آزاد ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی، نتیجہ یہ کہ چے خف کا فن بھی اسی تذبذب میں گرفتار رہا۔

ایک رائے یہ ہے کہ چے خف نے زہریلی نکتہ چینی اور بدگوئی کا توڑ کرنے کے لئے "نیا زمانہ" جیسے ہر دل عزیز اور کثیر الاشاعت اخبار کی مکمل تائید حاصل کر لی۔ ایک خیال یہ ہے کہ چے خف کے جوہر قابل کو اپنی حیثیت اور پرچے کی مقبولیت کا آلۂ کار بنانے کی خاطر سووورین نے اسے اپنی پلیٹ میں لے لیا۔ لینن نے بھی اس معاملے پر تفصیل سے رائے زنی کی ہے اور سووورین کی مثال دے کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جو لوگ طالب علمی کے زمانے میں بڑے ریڈیکل بنتے ہیں، ان میں اگر ۱۰۰ میں سے ۹۹ نہیں تو دس میں سے نو ضرور آخر میں صاحبِ اقتدار لوگوں کی چاپلوسی میں لگ جاتے ہیں ○○

---

○ دستوئیفسکی نے اپنے ناول "ذلتوں کے مارے لوگ" میں اسی شخصیت کی طرف طنزیہ اشارے کیے ہیں۔ اور جس کی سرپرستانہ نظر کو اپنے اور بلینسکی کے سلسلے میں داد دی ہے (نام لیے بغیر) وہ ہے گری گوری وچ کی ہستی۔

○○ ملاحظہ ہو کلیات لینن۔ روسی یا انگریزی۔ مطبوعہ ماسکو VOL XVIII صفحہ ۲۵۰

پرنسس نینا تومانو وا نے تمام ممکن تفصیلات کی روشنی میں یہ وضاحت پیش کی ہے :-

"سوودرین پہلے فوج میں رہا ، پھر اسکول ماسٹر ہوا اور ۱۸۶۱ء میں ایک صاحب عزم قلاش کی طرح ماسکو میں پیدل وارد ہوا - اخبارات و رسائل میں لکھنے لگا - ۱۸۷۶ء میں اس نے خود اخبار نکالا ، قابلیت سے چلایا ، سرکاری سرپرستی حاصل کی ، برل خیالات کا آدمی تھا - اخبار میں ہر رنگ کے خیالات کی ترجمانی کیا کرتا ، اس لئے سستی اور پاپولر کتابوں کی اشاعت کے لئے پبلشنگ ہاؤس قائم کیا - تھیٹر پر اس کی عمدہ تنقیدیں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں - نوجوان اور لائق ادیبوں کو اپنے دامن شفقت میں لینے کا عادی تھا -

" وہ دونوں (چے خف اور سوودرین) کیرے کسانوں کی اولاد تھے - دونوں کو قدرت سے غیر معمولی ذہانت ملی تھی - عمر میں ۲۶ سال کے فرق کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی طرف شدت سے کھنچے چلے گئے - سوودرین کے نام اتنے سارے خطوں میں چے خف نے اپنی کم سخنی اور احتیاط پسندی کو ایک طرف پھینکا اور اپنی روح انڈیل دی ، اس کے مدنظر یہ بات تھی کہ بڑے میاں خود بھی کافی مصیبتیں جھیل چکے ہیں اور زندگی کی تلخیوں سے خوب واقف ہیں - چے خف کی پیچیدہ فطرت ان خطوط کا مطالعہ کیے بغیر پوری طرح سمجھی نہیں جا سکتی :- جن میں اس کی ہستی کے سارے دور ، سب پہلو جھلکتے ہیں - یہ خطوط انتہائی دل چسپ انسانی فطرت کی دستاویز ہیں ، جن میں روزمرہ کے معمولی واقعات سے لے کر فلسفیانہ خیال آرائی تک ہر ایک موضوع پر بحث کی گئی ہے" ○

یوں "نیا زمانہ" سے مستقل تعلق کی صورت بن گئی اور پہلی ہی کہانی /"Панихида"/ "فاتحہ برائے ثواب" جو اس پرچے میں نکلی (۱۸۸۶ء) اس

---

○ مذکورہ تصنیف باب چہارم - ص ۱۶۱-۱۸

نے دھوم مچادی۔ اس کہانی پر مصنف کی اجازت سے پورا نام "انتون چے خف" دیا گیا۔ اڈیٹر کے ریمارک، مشورے، ہلکی سی ترمیم اور شاندار الفاظ میں تعارف کا شکریہ مصنف نے جس خط میں ادا کیا، وہ ان سطروں پر تمام ہوتا ہے۔

"..... میری کہانی کے خاتمے پر — جسے اصل میں سے چھانٹ دیا گیا — آپ کی رائے سے بالکل متفق ہوں اور آپ کے مفید ریمارکس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آج چھ سال سے برابر لکھ رہا ہوں لیکن آپ وہ پہلے شخص ہیں جس نے نہ صرف مجھے راہ دکھانے کی زحمت اٹھائی بلکہ اس کی دلیلیں بھی سمجھائیں .....!"

انہیں دو تین برس کے اندر "غم"، "وانکا"، "کسک" اور "دشمن" جیسے افسانے لکھے گئے جو آگے چل کر عالمی ادب کا حصہ بنے۔ ○

اگلے سال (۱۸۸۶ء) دوسرے پبلشر لئیکن نے اس کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ افسانوں کا دوسرا مجموعہ "رنگ برنگی کہانیاں" /Пёстрые Рассказы/ کے نام سے شائع کردیا (انگریزی میں ان کا ترجمہ (MOTLEY TALES) کے نام سے چھپ چکا ہے)

چے خف کا خاص رنگ اور کھل گیا؛ طنز و مزاح کے پردے میں ایک دردمند روح کی کراہ۔ کھلنڈرے اور رواں دواں لفظوں کی لہر کے نیچے گہرے

---

○ یرمیلوف جس نے چے خف کی سوانح اور ڈرامہ نگاری پر مستقل تصانیف چھوڑی ہیں لکھتا ہے کہ: ۸۶–۱۸۸۳ء کے تین برسوں میں اس کے طنز نے گہرائی اختیار کی۔ "البیون کی بیٹی"، "موٹا اور دبلا"، "کلرک کی موت"، "حمام میں"، "عہدے کا امتحان"، "لینڈو میں"، "خاموشی یا بات کرنا" جیسی پختہ کہانیاں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ قبل از وقت پختہ کیسے ہوگیا۔ اتنی تھوڑی سی مدت میں نوجوان چے خف نے خود کو ایک پیچیدہ اور قابل قدر استاد کے سانچے میں کیسے ڈھال لیا۔

مشاہدے اور سنجیدہ فکر کی چمکتی ریت۔

اِس مجموعے کا پہلے افسانوی مجموعے سے بھی بڑھ کر استقبال ہوا، لیکن مصنّف کا تاثر ہی کچھ اور تھا۔ چے خُف جیسے ضبط واحتیاط والے مرنجاں مرنج، عالی ظرف آدمی نے سیکڑوں تعریفی خطوط اور تقریظی تبصروں کے ہجوم میں اثر لیا تو اُن تنقید نگاروں کا، جن کے نام بھی اگر تاریخ ادب میں باقی رہ گئے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ چے خُف پر کیچڑ اُچھالنے میں وہ پیش پیش تھے۔

پرنس میرسکی نے (جو ۱۹۱۷ء میں کچھ دن منسٹر رہے، بعد میں پناہ گزین ہوگئے) اپنی روسی ادب کی تاریخ میں ایک ادبی عالم میخائیلوفسکی کا ذکر کیا ہے کہ "اس کی ادبی تنقید سماجی مقصد کی ماتحت ہو کر رہ گئی تھی"۔ اسی میخائیلوفسکی نے اور تیز رفتار سماجی تبدیلیوں کے دوسرے حامیوں نے چے خُف کے اس مجموعے میں مصنّف کے جوہر کو تو سراہا لیکن اس "کوتاہی" پر سخت لے دے کی کہ سماجی مسائل اور کسانوں کے مصائب سے وہ ایک ہوشیار تماشائی کی طرح گزر جاتا ہے، نہ اُن پر کوئی رائے دیتا ہے، نہ کوئی جذبہ اُبھارتا ہے۔ نہ شریک ہوتا ہے۔ ○

اسکابی چیفسکی /Скабичевский/ ناقد جو اپنے زمانے میں کافی با اثر اور مشہور تھا اُس نے تو یہاں تک "پیشگوئی" کر دی:

"اِن افسانوں سے غم کا تاثر پیدا ہوتا ہے تو وجہ یہ نہیں کہ افسانے بُرے ہیں بلکہ اس کے برخلاف، خاص وجہ یہ کہ ان میں اکثر افسانے ایسے ہیں جن سے ایک اُبھرتی ہوئی، تازہ دم ذہانت کے نقوش اُبھرتے ہیں، ایسی ذہانت جو مزاج اور مشاہدے کی صلاحیت سے محروم نہیں۔ لیکن ملاحظہ ہو، آدمی (قلم برداشتہ) مہینے میں چار، پانچ سو روبل کمانا شروع کر دے تو ذہانت کا رنگ پھیکا پڑ جائے

---

○ PRINCE MIRSKY A HISTORY OF RUSSIAN LITERATURE نیویارک 1927

گا، ادیب خالی خولی نقلارچی بن کر رہ جائے گا۔ اور تفریح پسند ہجوم کی دل لگی کی خاطر مسخرے پن کی حرکتیں کرنے لگے گا۔ اوّل اوّل تو اس قسم کے کارگزاروں کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ بعد میں، جب اخباری ادیب کی مقبولیت میں فرق آنا شروع ہوتا ہے —— کیوں کہ بہرحال کثرتِ کار تو اثر انداز ہو کر رہے گی۔ تب معاملہ اس نوبت کو پہنچنے والا ہے کہ وہ پنجرے ہوتے ہیمو کا رُخ کرے اور خود بھی پنجرے ہوتے ہیمو کی طرح عین بدمستی و مدہوشی کی حالت میں کہیں کسی دیوار تلے ایڑیاں رگڑ کر مر جائے، یہ بھی خوش نصیبی شمار ہوگی اگر دوست احباب ادبی فنڈ سے رقم مانگ کر میونسپلٹی کے ہسپتال میں اسے داخل کرادیں۔"

زہریلی زبان کا یہ زخم چے خف کے مریض سینے پر ایسا لگا کہ تمام عمر نہیں بھرا ایسا لہا سال بعد چے خف کی موت پر گورکی نے ایک مضمون لکھا ○ جس میں یہ واقعہ بھی درج تھا، وہ کہنے لگا کہ تنقید نگار گھوڑا مکھی کی طرح ہوتے ہیں جو ہل کھینچتے گھوڑے کے کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ گھوڑے کے رگ پٹھے تار کی طرح کسے ہوتے ہیں، اتنے میں گھوڑا مکھی نازل ہو جاتی ہے، بھنبھناتی ہے اور کچو کے دیتی ہے گھوڑے کی کھال میں تھرتھری پڑی، وہ دُم ہلانے لگا، کوئی پوچھے کہ مکھی کیوں بھنبھناتے جا رہی ہے؟ خود اسے بھی خبر نہیں۔ فطرت ہی بے چین پائی ہے اور یہ جتانا بھی مقصود ہے کہ تمہیں خبر رہے، میں بھی زندہ ہوں۔ مجھے بھی بھنبھنانا آتا ہے، ایسی کون ہے جو مجھے بھنبھنانے سے روک لے!

"۲۵ سال سے میں اپنی کہانیوں کے تبصرے پڑھ رہا ہوں اور یاد نہیں آتا کہ ان میں ایک بھی کام کا پوائنٹ یا مفید مشورے کا ذرہ ظہور ملا ہو۔ واحد تبصرہ نگار، جس

---

○ یہ مضمون، مجموعہ مضامین (۱۹۶۰-۱۸۶۰) میں پہلا اور قابلِ ذکر مفصّل مضمون ہے جو ماسکو سے انگریزی میں چھپ چکا ہے۔ اس مضمون میں چے خف کے مدّاح و معترف میکسم گورکی کے بیان سے دبی دبی تلخی کی بو بھی آتی ہے۔

نے مجھ کو متاثر کیا اس کا بی چیفسکی تھا ، جس نے یہ پیش گوئی کی کہ میں شراب کے نشے میں دُھت کسی نالے میں گر کے مر جاؤں گا۔"

یہی زمانہ ہے جب وہ افسانے لکھے گئے جن سے چے خَف اپنے معاصرین سے شناخت کیا جاتا ہے۔ مثلاً "گرگٹ"، "بدگمان"، "نمک زیادہ ڈال دیا"، "باورچن نے شادی کی"، "غم"، "کسک"۔ "فاتحہ برائے ثواب"، "گلانے والی"، وغیرہ۔ شہرۂ آفاق ڈرامے "ایوانوف" کی ذہنی تیاری انہیں دنوں ہوئی۔

دستوئیفسکی ، تورگینف اور گوگول کی آنکھ بند ہونے کے بعد اور تالستائے کے تبلیغی ادب میں لگ جانے کے کارن جدید افسانے اور ڈرامے کی بھری سبھا میر محفل کے وجود سے قریب قریب خالی ہو چکی تھی ، نوعمر ادیبوں اور ادب شناسوں کی پُر امید نظریں چے خَف کی طرف اُٹھنے لگی تھیں اور خود چے خَف اپنے قلمی کارنامے کی اہمیت سے بے خبر یا بے نیاز مگر اپنی گرتی ہوئی صحت کی طرف سے فکر مند ہو چلا تھا۔

دو سال پہلے جب ہلکا ہلکا بخار ہوتا یا کئی دن مستقل کھانسی رہتی تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ گلا خراب ہے۔ راتیں بے خواب گزرنے لگیں اور طبیعت گرنے لگی تو ڈاکٹری نظر نے اسے جتا دیا کہ معاملہ نازک ہے۔ ادھر تو بدن کی طاقت جواب دیتی جا رہی تھی، ادھر قلم کی طاقت ، نکتہ رسی ، پیشے کی مصروفیت اور اسٹیج کے لئے کامیاب ڈرامے کی لگن بڑھتی جا رہی تھی۔ گریگوری وِرچ کے تعریفی ، مگر تنقیدی خط کے جواب میں تب اس نے لکھا تھا :

"اگر مجھ میں کوئی جوہر ایسا ہے جس کی قدر کی جانی چاہیے تو آپ کے سامنے اعتراف کرتا ہوں —— کہ اب تک میں نے اس کی قدر نہیں کی ہے۔"

لیکن اب اس پر جوہر کی قدر بھی کھلنے لگی اور اس کی صحیح سمت بھی۔ اپنی خلوت اور خطوط میں وہ جس قدر فکر مند اور اُداس نظر آتا ہے ، گھر کی جلوت اور پبلک لائف میں اسی قدر مگن اور پُر شوق دکھائی دیتا ہے۔ غالب کا یہ شعر چے خف کی زندگی

کے اس دَور کا ترجمان ہے:

سخت جانیم و تماشش خاطرِ ما نازک است
کارگاہِ شیشہ پنداری بوَد کہسارِ ما ○

۱۸۸۷ء کی ابتدا تک چے خَف نے مختلف رسالوں میں مضمون نگاری اور نامہ نگاری سے ہاتھ روک لیا۔ حاجت مند بیماروں اور تشنہ موضوعات پر سنجیدگی سے عرق ریزی شروع کر دی۔ اسی سال افسانوں کے دو قابلِ قدر مجموعے اور نکلے: "جھٹپٹے وقت میں" /B сумёрках/ اور "بے قصور بول" /Невинные речи/۔

اسی سال چے خَف نے کئی سفر کیے۔ ۱۸۸۵ء سے اب تک کئی بار وہ گرمیوں اور بارش کے موسم میں خون تھوک چکا تھا۔ بظاہر تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے اور بباطن جنوبی روس کے دور دور پھیلے ہوئے خطوں کی عام زندگی کا مشاہدہ کرنے کے خیال سے اس نے ایک طویل سفر کیا۔ اپریل مئی کا موسم تھا۔ کھیتوں پر ہریالی تھی۔ تولا، اریول، کورسک، خارکوف جیسے تاریخی مقامات پر ٹھیرتا ہوا وہ اپنی جنم بھومی تگان روگ پہنچا۔ دو ہفتے ٹھہرا پھر دریائے دون کی وادی میں جنگی قازقوں کی بستیوں میں گھومتا پھرا، شادی بیاہ اور دوسری تقریبوں میں شرکت کرتا ہوا، دور تک ہموار اِسٹیپی کے میدانوں کی جھونپڑیوں میں راتیں گزارتا ہوا، دیہات کے رسم و رواج اور پچھڑے ہوئے روس کی بے رنگی، وہم پرستی اور بے دردی سے مشاہدے کی جھولیاں بھرتا ہوا ماسکو واپس آگیا۔ ڈرامہ "ایوانوف" کے سچے کردار، لازوال افسانے "اسٹپی" "پچن یگ"، "Печенег" اور مسرت /Счастье/ اسی سفر کی دین ہیں۔

---

○ ترجمہ: ہم سخت جان ہیں مگر طبیعت کی ساخت بڑی نازک ہے۔ یوں سمجھو کہ ہمارے پہاڑ میں شیشے کا کارخانہ لگا ہوا ہے۔ (باہر سے پتھر، اندر سے شیشہ)۔

دو ہفتے کی شدید محنت اور خاموش غور و فکر سے لکھا ہوا یہ ڈرامہ، جو اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا، ماسکو کے اسٹیج پر اسی سال پیش کر دیا گیا — اور تماشائیوں میں نزاعی مسئلہ بن گیا۔

حالاں کہ چےخف کی توجہ رفتہ رفتہ اسٹیج کے لئے بھرپور ڈراموں کی طرف مڑتی جا رہی تھی لیکن ان دنوں اپنے افسانے اسٹیپی /Степь/ پر زیادہ محنت کی۔ چٹکی بجاتے افسانہ گڑھ دینے اور ایک نشست میں مکمل لکھ ڈالنے کا دعویدار چےخف "اسٹیپی" لکھتے وقت بقول خود "جنم دینے کے درد و کرب" سے گزرا۔ یہ طول طویل افسانہ، جو ناولٹ کی سی ضخامت اور وسعت رکھتا ہے، تورگنیف کی سی نثریہ شاعری کا رنگ جذب کرنے کے باوجود جب پہلی بار "شمالی نقیب" ( /Северный вестник/ ) رسالے کے صفحات پر ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا تو صرف مصنف کی فنکاری میں نہیں بلکہ خود روسی افسانہ نگاری میں ایک سنگ میل شمار کیا گیا۔ بڑے بڑے اہلِ قلم نے اس کی گہرے رنگ کی تصویر کشی کو، بیباک حقیقت پسندی کو، وسیع منظر نگاری کو اور جیتے جاگتے خستہ حالوں، بدمست زرداروں کی اصلی زندگی کو روسی افسانہ نگاری کا اگلا قدم قرار دیا۔ آج بھی چےخف کے فن میں یہ افسانہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ کہ اس میں ہزاروں کلومیٹر تک پھیلے ہوتے ہموار روسی میدانوں کی زندگی کا اندرونی تضاد نظر آتا ہے۔

افسانوں کے لگاتار چار مجموعے شائع اور مقبول ہو جانے کے بعد، بظاہر چےخف کو ادیب کی حیثیت سے نام اور رقم کی کچھ کمی نہ رہ گئی تھی، نہ اس بات کی محتاجی تھی کہ وہ ڈاکٹری پیشے کے تقاضوں پر اپنے وقت کی دولت بہا دے، لیکن اس پیشے کے امکانات اور سماجی خلش کی تسکین نے اسے ادھر سے بے نیاز نہ ہونے دیا، البتہ اب اس پیشے کی حیثیت ثانوی ہو گئی تھی — پہلی بیوی کی طرح۔

شمالی سرد موسم کا تقاضا ہے یا یوروپی تہذیب کا معمول کہ صاحبِ حیثیت لوگ گرمیوں کا موسم آتے آتے شہر کے مکانات سے باہر، مضافات یا دیہات کے بنگلوں میں مقیم ہو جاتے ہیں۔ خاص اسی غرض سے دیہاتی بنگلے /Дача/ رکھے جاتے ہیں، جن کے اپنے نہیں ہوتے، وہ کرائے پر لے لیتے ہیں، جو اتنی استطاعت نہیں رکھتے، وہ دوستوں کے عارضی مہمان بن کر رہتے ہیں۔ انھی بنگلوں پر ایسی شامیں منائی جاتی ہیں جن کے تذکرے یا نتیجے شمالی ملکوں کے ادب اور فن میں یادگار رہ گئے ہیں۔

جب سے مستقل آمدنی کی صورت پیدا ہوئی، چے خف ہر سال گرمیوں میں شہر سے باہر کے بنگلے میں رہنے کی سبیل نکال لیتا تھا۔ ماسکو کے قیام میں دوسرے سال وہ بڑے بھائی کے پاس رہا۔ پھر زوینی گرد اور وسکریسینسکی میں، پھر بابکی نو میں۔ پھر جنوبی روس کے سفر میں۔ اور اس بار یوکرین کے خارکوف ضلع میں پسیول کے کنارے ایک پرانا بنگلہ کرائے پر لے کر خاندان سمیت وہاں پہنچ گیا۔ ایک تو یوں ہی روسی لوگ بہار کے پھول مرجھانے سے پہلے جنوب کے دھوپ بھرے پہاڑی اور ساحلی علاقوں کا رُخ کرتے ہیں اور پھر یہ خاندان تو جنوب میں ہی پلا بڑھا تھا۔ شمال کے ابر آلود آسمان سے اکتاتا ہو گا۔ یہاں پہنچ کر چے خف باغ باغ ہو گیا۔ جنگلی باغات، پرندے، کوّے، بلبلیں، جھاڑیاں اور دور دور پھیلے ہوتے کھیت اور جنگل۔ پھر ۱۶ پہیوں والی پن چکی کی روں روں۔

"یہاں حد نظر تک فضا ایسی کھلی ہوئی ہے کہ گویا ۱۰۰ روبل دے کر میں نے ایسی فضائے کائنات میں جینے کا حق لے لیا، جس کا کہیں کوئی اور چھور نہیں ہے....

جو کچھ یہاں دکھائی اور سنائی دے رہا ہے، وہ ایسا ہے جیسے پرانے قصے کہانیوں کی بدولت پہلے سے جانا پہچانا ہوا ہو....."

عجب نہیں کہ کئی سال بعد اس نے اپنے شاہکار ڈرامے "بیری والا باغ" کا منظر یہیں سے لیا ہو۔

جولائی ۱۸۸۸ء میں وہ سووورین سے پروگرام طے کر کے (غالباً اُسی کے خرچ پر) کرائمیا اور قفقاز کی طرف نکل گیا۔ جن لوگوں نے ان مقامات کی سیاحت نہیں کی، انھیں نہ پوشکن کی نظمیں بتا سکتی ہیں، نہ تورگینف کی مرصع بیانی، نہ چے خف کے رنگین خطوط کہ یہاں کا نرم مخملی موسم نہایت سرد یا نہایت گرم علاقوں سے آنے والوں کا کس پیار سے استقبال کرتا ہے۔

سبستاپول کی مشہور اور تاریخی بندرگاہ سے سٹیمر پر سوار ہوا اور سمندر کے راستے ساحل ساحل ہوتا کرائمیا کے اس چھوٹے سے پُر بہار جزیرہ نما میں اُترا، جو بحرِ اسود کے تھال میں سموسے کی طرح رکھا ہوا ہے۔

یالٹا کی شہرۂ عالم بندرگاہ، جو صفائی، حسن اور سرسبزی میں وینس کا جواب ہے، چے خف کو اس لئے پسند نہ آئی کہ وہاں یورپی اور ایشیائی تہذیبوں کا اور دنیا بھر کے سیاحوں کا دن رات قصباتی میلہ سا لگا رہتا تھا ○ (اب بھی یہ میلہ اسی طرح برقرار ہے، البتہ اس میں رئیسوں کے بجائے محنت کشوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے)۔ یالٹا سے وہ جلدی ہی نکل گیا۔ فدوسیا کے پُرسکون قصبے میں چند روز گزارے۔ یہاں سے چل کر ارادہ تھا کہ قفقاز کے کوہستانی، سرسبز و شاداب مناظر اور قبائلی طرز کے رسم و رواج دیکھتے ہوئے ایران کی طرف نکل جائیں گے۔ کرخ کے مقام سے پھر اسٹیمر لیا، سوخومی اور باتومی کی خوبصورت، ہری بھری صاف ستھری بندرگاہوں کی سیر کی۔ قفقاز (کوہ قاف) کے یہ چھوٹے چھوٹے پُرسکون اور باغ و بہار علاقے اسے دل سے پسند آئے۔ ابخازیہ (شمالی قفقاز) پہنچ کر تو وجد کی سی حالت طاری ہو گئی۔

---

○ تب تک یہاں کرائمیا کے قدیم تاتاری باشندے اور عثمانی سلطنت کے تہذیبی اثرات حاوی تھے، اب وہ بعض پرانی عمارتوں کے علاوہ کہیں نظر نہیں آتے۔ دوسری جنگ عظیم نے سب الٹ پلٹ دیا!

"..... اگر میں ابخازیہ میں مہینہ بھر بھی رہ جاؤں تو پچاس کے لگ بھگ جنوں خیز افسانے لکھ ڈالوں۔ ایک ایک جھاڑی سے، پہاڑوں پر کی چھاؤں، اور دھوپ چھاؤں سے، سمندر سے اور آسمان سے ہزاروں موضوع مجھے تاک رہے ہیں....."

اس نے آذر بائیجان کے پایۂ تخت باکو اور جارجیا (گرجستان) کی راجدھانی طِفلِس (تبلیسی) کی بھی سیر کی۔ جارجیا کی بلند بالا پہاڑیوں میں سے گزرتی ہوئی، سانپ کی طرح بل کھاتی، رسی کی طرح جھولتی، فوجی سڑک بھی دیکھی جو قفقاز کے سرکشوں کی مونچھ نیچی رکھنے کے لئے بنائی گئی تھی:

"تصور کیجئے، دو اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں اور ان کے بیچوں بیچ دور تک لمبی گلی چلی گئی ہے؛ چھت — آسمان، فرش، گہرائی میں دریائے تیرک — دیواریں بلند، آسمان بلند تر — چوٹی پر سے گھونگھریلے بالوں والے درخت نیچے جھانک رہے ہیں — سر چکرا جاتا ہے!"

قفقاز اور کرائمیا کا چکر پورا کر کے وہ ایران جانے کے بجائے ایک مجبوری سے ماسکو لوٹ آیا۔ اس وقت پتھریلی سڑکوں اور روِشوں پر مرجھاتے ہوئے زرد پتوں کا فرش بچھ رہا تھا۔

ماسکو میں خزاں کا یہ موسم غم اور خوشی کے دو تحفے لیے بیٹھا تھا: تپ دق کی بیماری جو اندر ہی اندر اُسے گھلا رہی تھی، اور زور پکڑ گئی؛ اکادیمی آف سائنسز نے "جھٹپٹے وقت میں" مجموعے پر ملک کے سب سے بڑے ادبی انعام "پوشکن پرائز" کے لئے اس کے نام کا اعلان کر دیا۔

انعام کی صرف آدھی رقم ۵۰۰ روبل تو بہت نہ تھی لیکن اعزاز بڑا تھا۔ اعلان پڑھ کر اس نے اپنے ایک مہربان اور قدرداں گری گوری وچ کو لکھا:

"..... یہ انعام یقیناً میرے لئے خوشی کی بات ہے۔ اگر کہوں کہ اس سے میرے دل

میں کوئی ہلچل نہیں ہوتی تو یہ بالکل جھوٹ ہوگا ...... کل اور آج دونوں دن (بے تابی کے مارے ؟) میں گھر میں برابر ٹہلے جا رہا ہوں، جیسے عشق کا مارا کام کچھ نہیں ہوتا، صرف خیالات کی یورش ہے ...!!

اسی سال چے خف کی اہم، سنجیدہ، دل گرفتہ اور فکر انگیز کہانیاں" نام رکھائی کی دعوت" /IMENINI/ شائع ہوئی ○ ایک طرف تو اس کی دھوم مچی، دوسری طرف اہلِ نظر اور صاحبِ اثر نقادوں نے لے دے کی۔ مثلاً ایک دوست پلیش چیئیف نے لکھا کہ کہانی تو خوب ہے، لیکن اس میں خیالات یا رجحان کی کوئی سمت (طرفداری ؟) نہیں ملتی۔ چے خف کو یہ رائیں ناگوار گزریں۔ اس نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"...... کیوں ؟ کیا اس کہانی میں شروع سے آخر تک میں نے جھوٹ اور فریب کے خلاف احتجاج نہیں کیا ہے ؟ کیا یہ کوئی سمت نہیں ہے ؟ نہیں ؟ تو مطلب یہ کہ یا تو مجھے کاٹنا نہیں آتا یا پھر میں مکھی ہوں ....."

اِنھی دنوں افسانوں کا پانچواں مجموعہ" افسانے" کے نام سے خارکوف صوبے میں شائع ہوا۔

اسی سال چے خف نے اپنے ڈرامے" ایوانوف" پر نظرِ ثانی کی اور چاہا کہ خاص مقصد کا یہ انوکھا تجربہ اسٹیج پر موثر ثابت ہو اور پیٹرسبورگ والوں کی نظر میں چڑھ جائے۔ اپنے دوست مشہور افسانہ نگار کورولینکو سے اس نے سال بھر پہلے کہا تھا:

"...... میں ایک ڈرامہ لکھ رہا ہوں ...... ایوان الو نووچ، ایوانوف .... سمجھے آپ میرا مطلب ؟ ہزار ہا ایوانوف ہیں۔ وہ (میرا ایوانوف) ایک معمولی سا آدمی ہے۔ ہیرو تو بالکل نہیں۔ یہی چیز ہے جس نے کام اتنا مشکل بنا دیا۔"

اسی سال چے خف نے کھلے لفظوں میں اپنی تنقید بھی کی اور فن میں اپنے نقطۂ نظر

---

○ انگریزی میں اس کا ترجمہ "THE PARTY" کے عنوان اور بعض جگہ THE NAME DAY کے نام سے ہوا ہے۔

کی وضاحت بھی ـــ دراصل ماسکو میں "ایوانوف" پر اور "پیٹرسبورگ" میں افسانے "نام رکھائی" کی دعوت" پر جس قسم کی تنقیدیں نکلی تھیں انھوں نے چیخوف کو مشتعل کر دیا، اپنے دوست پلیشں چیئیف ہی کے نام ایک اور خط میں (جس کے حوالے بہت دیے جاتے ہیں) اس نے لکھا:

"...... میں ان لوگوں سے ڈرتا ہوں جو بین السطور میں رجحان ڈھونڈھتے رہتے ہیں اور مجھ میں لبرل یا قدامت پسند ڈھونڈھ نکالتے ہیں ۔ میں تو نہ لبرل ہوں، نہ ارتقاپسند، نہ تارک دنیا ہوں، نہ بے نیاز رہنے کا حامی ۔ میں ایک آزاد فنکار رہنا چاہتا ہوں اور بس! میرے نزدیک مقدس سے مقدس کوئی چیز ہے تو وہ ہے انسانی جسم، صحت، ذہانت، جوہر، الہامی کیفیت، محبت اور سب سے مکمل آزادی ـــ یعنی ظلم اور فریب سے آزادی ۔"

یوں پیچ و تاب کھانے کے بعد پھر اس پر مفکرانہ غم اور احساس بے بسی کا دورہ پڑتا تھا۔ اسی سال کے آغاز میں شگلوف کو اس نے جو درد بھرا خط لکھا، اس میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے:

"ہمارے جوہر کمال میں فاسفورس تو بہت ہے، لیکن لوہا نہیں ہے۔ شاید ہم خوبصورت پرندے ہیں جنھیں گانا خوب آتا ہے، مگر ہم عقاب نہیں ہیں۔"

جب وہ اپنے ڈرامے "ایوانوف" پر کڑی نظرثانی کر رہا تھا، غالباً خود بھی ذہنی تنہائی سے گزر رہا ہوگا۔ "ایوانوف" کردار کی غمزدہ، اداس، تنہائی کے گہرے رنگ میں، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنا ہی خونِ جگر ٹپکا دیا ہے۔ جسمانی تھکاوٹ، بیماری کا اثر، ذہنی بیقراری اور بیزاری، اردگرد کی ابرآلود فضا میں امید کی شعاع گم ہونے سے، وہ اپنے ہی فن پاروں کو مشکوک نظر سے دیکھنے لگتا ہے!

"ایسے لمحے آتے ہیں جب میری روح آپ سے آپ ڈوبنے لگتی ہے۔

آخر میں کس کی خاطر اور کس لئے لکھتا ہوں؟

کیا پبلک کی خاطر؟ نہیں۔ میں تو پبلک کو دیکھتا ہی نہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پبلک کو میری ضرورت بھی ہے یا نہیں ۔ بورے نین (ایک بدزبان اور کٹر اخبار نویس ) کہتا ہے کہ پبلک کو میری ضرورت نہیں ۔ فالتو قلم چلاتا ہوں ۔ اوپر سے اکادیمی کا یہ انعام ـــــ توبہ ہے میری ۔ تو کیا روپے کے لئے لکھا جائے ؟ سو اول تو میرے پاس روپیہ کبھی ہوتا نہیں اور پھر عادت پڑگئی ہے کہ روپے کے ہونے' نہ ہونے کی طرف سے بے نیاز ہو چکا ہوں ۔ صرف روپے کے لئے جو کام کرتا ہوں وہ بے جان نکلتا ہے ۔ تو کیا تعریف کے لئے لکھا جائے ؟ سو تعریفوں سے مجھے خفقان ہوتا ہے ـــــ"

یہ اقتباس دے کر ( جو اکثر تصانیف میں دُہرایا گیا ہے ) مصنّف وُداوُوزف نے رائے ظاہر کی ہے کہ ان دنوں اکثر یہ سوال چے خف کو اذیت میں مبتلا رکھتا تھا کہ وہ کس کی خاطر یہ پاپڑ بیلتا ہے ۔ بورژوائی تنقید نگار یہ کہہ کر چڑاتے تھے کہ تم فالتو چیزیں لکھتے ہو جن کی کسی کو ضرورت نہیں ۔ دل سے یہ صدا اٹھتی تھی کہ کیا کرے جو اس کا قلم عوام کی زندگی کا بارِ گراں ہلکا کرنے میں کام آتے ۔ اور بقول چے خف یہ کانٹا کھٹکتا رہتا تھا ○

" کسی خاص انداز نظر کے بغیر جینے کا تصوّر زندگی نہیں ، بلکہ بارِ گراں ہے ، ایک عذاب ہے ......"

وہ خاص انداز نظر کے بغیر جی چکا تھا اور اب ادب اور زندگی کے منشا کے تصوّر نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا ۔ چے خف کے بڑے عقیدتمند پریسٹلے نے جدید تنقیدی اصطلاح COMMITMENT سے کام لیا ہے ۔ یعنی فیصلہ یہ کرنا تھا کہ کس کے حق میں اور کس کے خلاف لکھنا ہے ۔ اسے ایک طرف کا ہو کر رہنا پسند نہ تھا ، مگر سائنس کا طالب علم اور فطرت کا عاشق رہنے کی بدولت خوب جانتا تھا کہ حق اور صداقت ، دونوں کا گہرا رشتہ ہے ۔

---

○ مذکورہ تصنیف ۔ ص ۲۹ ۔

بڑی سوویت انسائیکلوپیڈیا کے علما نے درمیانی راہ اختیار کی ہے؛ وہ لکھتے ہیں:

خود چے خف تلاش نہ کرسکا کہ سماجی زندگی کے بہت سے مسائل کے سچے تاریخی حل کیا ہوں گے۔ وہ عام جمہوری تصورات کے دائرے میں اسیر ہو کر رہ گیا۔ البتہ فنکار چے خف ان تمام قیاسی مفروضوں، خواب و خیال کی باتوں سے آزاد رہا جو ۹۰-۱۸۸۰ء کے دوران ذی علم حلقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ○

ان دنوں چے خف کی پریکٹس بھی اچھی خاصی چل رہی تھی اور قلم بھی، شہرت بھی عروج پر تھی، سماجی حیثیت بھی، شرفائے ماسکو کے محلے میں (جہاں اب بغاوت چوک ہے) دو منزلہ مکان میں یہ خاندان رہنے لگا تھا اور آئے دن ادیبوں اور فنکاروں کی دعوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ دنیا کا مشہور روسی نغمہ نگار چائیکوفسکی چے خف سے ملنے آتا گری گوری وچ سوودرین نوعمر گورکی اور مشہور افسانہ نگار کرولینکو یہاں مہمان رہتے۔ جیسا کہ ادبی اڈیٹر اور تنقید نگار کرنے ئی چوکوفسکی نے اپنے ایک مفصل مضمون میں بیان کیا ہے:

چے خف کو عادت تھی ضد کر کر کے لوگوں کو گھر بلانے اور ان کی خاطریں کرنے کی۔ وہ اتنے زبردست قبولِ عام کے باوجود تنہا سا تھا، مگر تنہائی برداشت نہ کرسکتا تھا۔ وہ بذاتِ خود تو دعوتوں اور پارٹیوں میں جاتے کتراتا تھا مگر اس کا گھر بلائے، بن بلائے مہمانوں کے لئے مفت کا ایک ہوٹل بن گیا" تمام صوفوں پر، ایک ایک کمرے میں کئی کئی لوگ پڑے سو رہے ہیں۔ یہاں تک باہر ڈیوڑھی میں بستر لگے ہوئے ہیں؛ ادیب ہیں، نوجوان مداح اور قدر داں لڑکیاں ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے اہلکار، مقامی ڈاکٹر، دور کے رشتہ دار...... سب طرح کے لوگ ہفتوں پڑے رہتے تھے......" اور تو اور، وہ سیر و سیاحت میں بھی ملنے والوں کا ساتھ پسند کرتا تھا اور بڑھتی ہوئی کھانسی اور نقاہت کے باوجود لطفِ صحبت کی خاطر خوب قہقہے لگایا کرتا تھا۔

---

○ SOVIET ENCYCLOPAEDIA (بزبان روسی) VOL XLVII صفحہ ۷۷-۲۷۶ مطبوعہ ماسکو ۱۹۵۷ء۔

" اگر میل جول رکھنے کی یہ انتھک صلاحیت نہ ہوتی ، اگر وہ بھانت بھانت کے لوگوں سے نزدیک رہنے کی ایسی بے پناہ پیاس نہ ہوتی ، گویّوں کے ساتھ بکنے اور شرابیوں کے ساتھ بہکنے کی لگن نہ ہوتی ۔ اگر دوسروں کی زندگی سے، اخلاقی معاملات سے ، بات چیت سے ہزارہا آدمیوں کے الگ الگ پیشوں سے اتنی والہانہ دل چسپی نہ ہوتی تو وہ ہرگز اتنا زبردست کام نہیں کرسکتا تھا کہ روس میں ۱۸۸۰ء کے بعد کے بیس برس کی ایک بھرپور انسائیکلو پیڈیا مرتب کردے ، وہ جسے چے خف کے مختصر افسانوں کا نام دیا جاتا ہے " ○

یہ اس شخص کی حالت تھی جس کا جسم روز بروز کھوکھلا ہوتا جارہا تھا ۔ چوں کہ یہ اس کی ظاہرا تندرستی کا آخری سال ہے جب وہ دوستوں کو اپنی ہنسی ، لطیفوں ، چٹکلوں ، نقلوں اور ڈرامائی حرکتوں میں شریک کرسکا ، اس لئے بے موقع نہ ہوگا اگر یہیں چے خف کی وقار آمیز اور بہار انگیز شخصیت کا وہ پورٹریٹ دکھا دیا جائے جو پہلی ملاقات پر اس کے دوست اور قدر شناس اہل قلم کرولینکو نے ، جسے چے خف کے مقابلے میں کچھ کم عوامی مقبولیت نصیب نہیں تھی ۔ کھینچا ہے ۔ ○○

میری نظر کے سامنے ایک جوان آدمی تھا ، دیکھنے میں اصل سے بھی کم عمر ۔ قد میں اوسط سے کچھ زیادہ ۔ لمبوترا چہرہ ، نک سک سے درست ، خدوخال متناسب ۔ جن پر نوجوانوں کے ناک نقشے کی خصوصیت ابھی کچھ باقی تھی ۔ اس چہرے میں کوئی ایسی خاص بات تھی جو مجھے تو بیک نظر نہیں دکھائی دی لیکن میری بیوی نے ..... باریکی سے نوٹ کی اور بعد میں مجھے جتائی ـــــ اُن کا خیال تھا کہ چے خف کے چہرے پر ، سارے علم و فضل کے باوجود ، ایسی سادگی برستی ہے جو دیہات کے کسی سادہ دل لڑکے کی طرف

---

○ A.P.CHEKHOV ۔ صد سالہ ایڈیشن ۔ ماسکو ۔ باب اول ۔ ص ۶۱-۵۶

○○ مضمون VOSPOMANYAO A.P.CHEKHVE ۔ جو روسی اور انگریزی کی کئی تالیفوں میں شامل ہے ۔

ذہن کو لے جاتی ہے۔ اس سادگی میں عجب کشش تھی۔ یہاں تک کہ چے خف کی آنکھیں، نیلی، چمکتی ہوئی، گہری آنکھیں بیک وقت غور و فکر کی جھلک بھی دکھاتی تھیں، اور بچپنے کی بے حجابی سے بھی روشن ہو جاتی تھیں۔ جس طرح اس کی تحریروں میں ہے، ایسے ہی پورے وجود پر اگر کوئی خصوصیت حاوی رہتی تو وہ تھی ہر ایک حرکت و سکون میں، اُٹھنے بیٹھنے میں اور بات چیت میں سادگی۔ یوں دیکھیے تو اس پہلی ہی ملاقات میں چے خف نے مجھ پر یہ اثر چھوڑا کہ یہ شخص دل و جان سے خوش باش آدمی ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھوں سے بذلہ سنجی اور براہ راست ہنسی دل لگی کا چشمہ پھوٹ رہا ہے جو کبھی خشک نہیں ہونے والا۔ اسی چشمے سے اس کی کہانیاں بھی ہری بھری ہیں۔ قیافہ کہتا تھا کہ یہاں اور بھی کوئی گہری چیز ہے، اتنی گہری کہ ابھی اس کی تہیں کھلنی باقی ہیں، جب کھلیں گی تو خیر کی طرف کھلیں گی۔ ہمارا عام تاثر بھر پور اور دلکش رہا۔"

سال ختم ہو رہا تھا کہ تھیٹر کی ٹکسال، شہر پیتر سبورگ کے مشہور زمانہ الیکساندر تھیٹر میں چے خف کا ڈرامہ "ایوانوف" نظر ثانی کے بعد نئے روپ میں پیش کرنے کی زبردست تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ڈرامہ نگار کی حیثیت سے یہ اس کے لئے سخت امتحان کا لمحہ تھا۔

امتحان کا اس سے بھی سخت لمحہ تھا جان نثار کرنے والے بھائی نکولائی کا بستر مرگ پر ہونا۔

جنوری ۱۸۸۹ء میں جب چے خف پیتر سبورگ کے پہلے، ہنگامہ خیز اور کامیاب شو دیکھتے ہی اُلٹے پاؤں ماسکو واپس آیا تو وہ بھائی، جو زندگی بھر اس کا ہمراز اور رفیق کار رہا، جس نے اس کی تصانیف کو تصویری لباس دیا ○ عمر کے آخری دن گن

---

○ رسالہ "MOSK A" شمارہ ۷۔۱۹۷۰ء میں پدروسکی کا ایک مضمون نکلا ہے جس میں ۳-۱۸۸۲ء کے ایک رسالے ZRITEL (آبزرور) کے حوالے سے ماسکو کی

رہا تھا۔ چے خف نے سب جتن کر لیے مگر نہ دوا کام آئی ، نہ تیمارداری اور ۱۷، جون کو اس باکمال اور ہونہار مصوّر نے سخت اذیتیں اُٹھا کر دنیا کی رنگینیوں سے منہ موڑ لیا۔

چے خف نے اپنی کئی کہانیاں موت کے جاں گداز واقعے کی تیز آنچ پر پکائی ہیں ، لیکن دنیا میں سب سے عزیز ہستی جوان بھائی کی موت ایسا واقعہ تھی جس نے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیے۔ جب کسی طرح قرار نہ آیا تو وہ ماسکو چھوڑ کر نکل گیا۔ پہلے جنوب میں اودیسہ کی بندرگاہ ، جہاں روز نئے نئے لوگوں سے واسطہ پڑا۔ وہاں بھی چین نہ پایا تو کرائمیا میں یالٹا چلا گیا۔ اور کچھ دن بعد ماسکو لوٹ آیا ـــــ لیکن اس بار خوشی یا اطمینانِ قلب کی تلاش پہلے سے بھی زیادہ ناکام رہی۔ اب اِس ناکامی میں ایک ذاتی ، نہایت ہی ذاتی غم بھی تلخی گھول گیا۔ اسے بار بار ملک سے باہر نکل جانے کی تمنا ستانے لگی ، یہ سال قلمی کارناموں کے لحاظ سے سپاٹ گیا۔ ناول لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ کاغذ پھیلائے ، پلاٹ سوچا ، کئی صفحے بھی لکھ ڈالے۔ کام رُک گیا۔ چھوٹے چھوٹے ایکانکی ڈراموں میں وقت نکل گیا۔ " ایوانوف " میں کردار بہت سارے ہو گئے تھے ، سوچا کہ ایسا ڈرامہ لکھا جائے جس میں کردار کم اور انفرادی مطالعہ گہرا ہو ، چناں چہ " کاٹھ کا جن " (THE WOODDEMON) لکھا جو پیٹرسبورگ اور ماسکو دونوں جگہ اسٹیج پر پیش ہوا اور ناکامی و ناگواری کے سوا کچھ دے کر نہیں گیا۔ یہی وہ ڈرامہ ہے جو چند تبدیلیوں کے بعد "چچا وانیا " /Дядя Ваня/ کے نام سے اسٹیج پر آیا اور شاہکار ثابت ہوا۔

" بے لطف کہانی "Скучная История" طویل افسانہ اسی سال لکھا اور شائع کیا گیا۔ اس کہانی کا ہیرو ایک بوڑھا فلسفی ، عالم اور مستند ، با اثر پروفیسر ہے ، جسے عمر کے آخری دنوں میں پتہ چلا کہ علمی ادبی اداروں کی سندیں ،

---

(حاشیہ صفحہ ۴۷ سے آگے ) سڑکوں پر گھوڑا گاڑی ، ٹرام ، سواری اور چھکڑوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اخبارات کے لئے بھی دونوں بھائی مل کر کام کرتے تھے۔ تصویریں نکولائی نے بنائی ہیں اور شوخ عبارت ، نام دیے بغیر چے خف نے لکھی ہے۔

بحثیں، فاضلوں کے اقوال، اکادیمی کے اعزاز، نکتے، نزاع اور فیصلے اصل حقیقت سے، انسان کی شادمانی سے کتنی دور اور، کس قدر بے بہرہ ہیں۔

..... سائنس کے لئے میرا جذبہ، زندہ رہنے کی خواہش، اجنبی بستر پر بیٹھنا، اپنے کو سمجھنے کی آرزو، میرے ان سارے خیالات، محسوسات اور تصورات میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو اِن اَجزا کو ملا کر کُل کی شکل دے دے .....

کچھ دن بعد نئی کہانیوں کا پانچواں مجموعہ "بیزار لوگ" /"Хмурые Люди"/ نکل گیا۔ لیکن وہ اس بار خود بھی مَدح اور قدح سے کچھ کم بیزار نہیں تھا۔ اس نے ایک خط میں لکھا:

"مجھے اپنی تصانیف کو پریس میں دیکھنے کا بھی شوق نہیں رہا۔ تبصروں کی طرف سے دل پھر گیا۔ ادب کی باتوں سے بے رُخی آگئی ...... روح پر مَیل کی کوئی تہہ جم گئی ہے۔ یہ نہیں کہ میں مایوس ہوں، تھک چکا ہوں، یا بے دلی و بیزاری کا شکار ہوں ــ نہیں، بس، ہر چیز کی دلکشی میں کچھ فرق آگیا ہے ....."

اس قسم کے خطوط سے، ڈرامے کے مکالمے سے، اور بے لطف کہانی کے ہیرو کی گفتگو سے سوویت دَور کے ناقدوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ اب بند گلی سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ چے خَف کے سامنے رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ خود کو ہجوم میں، مصیبت زدہ گلی کوچوں میں گم کر دے اور دُکھ، افلاس، بیماری، بدچلنی، ظلم زبردستی کو اسی ماحول میں رہ کر بہت نزدیک سے دیکھے۔ ○

"حقیقت، جس روپ میں بھی ہو، نقاب سَرکا کر دیکھی جائے اور کم سے کم، دھار دار لفظوں میں یوں پیش کی جائے کہ اس کی دھاریاں اُبھر کر اپنی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ نظر آئیں ــــ یہ ہے وہ فنی منشا، جو چے خَف کے اِسی زمانے کے خطوط سے اور ذاتی نوٹ بُک سے کُھلتا ہے۔" ○○

---

○ سوویت انسائیکلوپیڈیا۔ جلد XLVII صفحہ ۲۷۸۔ ماسکو۔

○○ CHEKHOV ANDHIS RUSSIA_W.H.BRUFORD ۱۹۴۷

مشہور تنقید نگار اور کئی زبانوں کے ماہر انگریز مصنف ولیم گرہارڈی (WILLIAM [1]
GERHARDI) نے چے خف پر اپنے عالمانہ تجزیے میں، تالستائے سے
چے خف کا موازنہ کرتے ہوتے کہا ہے کہ وہ فرد کا مطالعہ فرد کی حیثیت سے
کرتا تھا۔ انفرادی کردار، مزاج اور اس کی در پردہ تہوں میں اُترنے کی صلاحیت رکھتا
تھا" جھوٹ کی تہہ میں جو سچائی ہوتی ہے، وہ اُسے دیکھ لیتا تھا ——— اور وہی اس
میں ترس کھانے کا جذبہ اُبھارتی تھی"۔ سووورین کے نام ایک خط سے بھی اس کی
تائید نکلتی ہے،

"آپ مجھے معروضیت (OBJECTIVITY) کا مجرم قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ
خیر و شر دونوں سے نا آشنا گزرتا ہوں، نہ کوئی آدرش ہے، نہ خیالات۔
مطلب یہ کہ جب گھوڑا چوروں کا بیان کروں تو یہ بھی کہتا چلوں کہ گھوڑے چُرانا
بُری بات ہے۔ مگر یہ بات تو میرے کہے بغیر بھی زمانۂ قدیم سے لوگوں کے علم
میں ہے۔ جیوری اُن کا فیصلہ آپ کر دے گی۔ میرا کام تو صرف اتنا دکھانا ہے کہ
وہ کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں لکھتا ہوں! آپ کا سابقہ گھوڑا چوروں سے
ہے، میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ گھوڑا چور بھکاری نہیں بلکہ پیٹ بھرے لوگ
ہوتے ہیں۔ ایک خاص فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، گھوڑا چوری محض چوری چکاری
نہیں بلکہ ایک خواہش کی بیقراری ہے......"

مصنف مذکور نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "چے خف کی انسانیت ہمیشہ فرد کے
مطالعے سے، اُس اِکائی سے، جس پر گزرتی ہے، متعلق ہے، اور جب وہ ساری
نیتوں کو سمجھ لیتا ہے تو اُسے باطل کے پردے میں حق نظر آجاتا ہے ——— وہاں کسی
باطل کا پتہ ہی نہیں۔ اگر کچھ باطل ہے تو یہ کہ آدمی اُسے سمجھ نہ پائے"۔

یہ ہے وہ نکتہ، جسے ذہن نشین کرنے کے بعد ہم چے خف کی سوانح حیات

---

[1] A. CHEKHOV: A CRITICAL STUDY: WILLIAM GERHARDI لندن ۱۹۲۹ء

میں بے تکلف ایک پہیلی بوجھ لیتے ہیں: یہ کہ اس نے اچانک سکھالین کے کالے پانی والے جزیرے کا سفر کرنے کی کیوں ٹھان لی ○ اور وہ بھی ایسے بے وقت؟۔ اکثر اس کا قانون داں بھائی میخائیل جرم و سزا کے واقعات سنایا کرتا تھا جن سے یہ تو ظاہر تھا کہ آدمی نے جرم کیا یا کسی جرم کے سلسلے میں گرفتار ہوا۔ اسے سزا ہوئی۔ لیکن سزا کے بعد اس پر کیا گزری، کسی کو سروکار نہیں۔ دستوئیفسکی نے کوئی ۳۰ برس پہلے (۶۲ - ۱۸۶۱) سائبریا میں اپنی جلا وطنی کے حالات لکھے، ہزاروں میل دور جلا وطنوں اور قیدیوں کے حالات پر سے کچھ پردہ اٹھا مگر قیدی کی حیثیت سے دستوئیفسکی کی کچھ مجبوریاں بھی تھیں۔ تالستائے نے حیات بعد الموت /Воскресенье/ لکھ کر دنیائے ادب میں تہلکہ مچا دیا، لیکن اس عذاب سے 'برضا و رغبت'، اور بذات خود گزرنے کا بار چے خف نے اپنے بیمار شانوں پر لیا۔

"ایک معنی میں یہ سَرفروشانہ فیصلہ تھا، مگر معقول وجہوں کی بنا پر اسے فرار بھی کہہ سکتے ہیں.... اپنے ادبی کیریئر کے بن سلجھے مسائل سے بے تحاشا فرار۔ سزا یافتہ بستیوں کی جانچ کرنے کے لئے کمربستہ ہونے والا ڈاکٹر چے خف اُس ادیب چے خف کی جگہ سنبھالنے چلا جو نابستہ، حیرت زدہ اور مُذبذب رہا تھا۔"....

۱۸۹۰ء شروع ہوتے ہوتے، ایک اخبار سے نامہ نگاری کا ذمّہ لے کر وہ سکھالین جانے کی تیاری کرنے لگا۔ کتابیں، نقشے، رپورٹیں، حالات، افسانے، جو کچھ ہاتھ لگا، بٹور لیا اور پڑھ ڈالا۔ جتنی رقم بچا کر رکھی تھی ساتھ لے لی کہ نجانے کیا بیتے، اور کب تک بیتے۔

اڈنبرا یونی ورسٹی میں جرمن زبان و ادب کے پروفیسر بروفورڈ (W.H.BRUFORD) نے اس سفر کا ذہنی پس منظر یوں بیان کیا ہے۔ ○○

دوستوں اور عزیزوں کو دور دراز کا یہ دشوار گزار سفر ایک طرح کا دیوانہ پن نظر

---

○ پریسٹلے کی مذکورہ کتاب، وہی اڈیشن ص۲۵

○○ کتاب مذکور ص۸

آیا۔ سب نے اسے سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہ مانا۔ اگرچہ اس سفر سے وہ خود سائنس یا ادب میں کوئی اضافہ کرنے کی نیت نہیں رکھتا تھا، تاہم یہ ظاہر ہے کہ اپنے ضمیر سے ایک قرض اتار دینے پر کمربستہ تھا۔ اس کی سمجھ میں آگیا تھا کہ ۱۸۶۰ والی دہائی کی مشہور و معروف اصلاحات نے بیماروں اور قید میں پڑے لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ بیماروں کے لئے تو خیر، اس کے ہوتے کچھ نہ کچھ ہو بھی رہا تھا۔ ڈاکٹر اور مصنف کی حیثیت میں وہ ان تلافیوں سے کسی قدر متعلق بھی چلا آرہا تھا، مگر دوسری بھول جوں کی توں برقرار تھی۔ اصلاح کی طرف پہلا قدم اٹھنے سے پہلے ضروری تھا کہ حقائق کا علم ہو۔ چےخف کی غرض (سفر سے) یہ تھی کہ اس نئے آسٹریلیا، سزایافتہ لوگوں کی اس کالونی کے بارے میں جتنا کچھ علم ہو سکتا ہے، حاصل کرلے، چناں چہ وہ اپریل ۱۸۹۰ء میں اس جان لیوا سفر پر روانہ ہوگیا۔

## (۳)

"میں چاہتا ہوں کہ ہمارے بیوی بچے، دوست اور شاگرد ہمارے نام یا سائن بورڈ سے پیار نہ کریں بلکہ ہم میں جو عام، سادہ دل انسان ہیں، ان سے محبت کی جائے۔"

انسانی مصائب کے تاریک گوشوں کی تلاش، اوپر کی سوسائٹی کے چونچلوں سے بیزاری، سماجی مسائل میں تذبذب سے نجات پانے کی آرزو اور فن میں "تمنا کا دوسرا قدم" بڑھانے کی لگن۔ مرد بیمار انتون پاولووچ کو ان ستم زدہ بستیوں کی طرف لے چلی جہاں ریل بھی نہیں جاتی تھی۔

۲۰ر اپریل ۱۸۹۰ء کو جب برف پگھل رہی تھی، چےخف ماسکو سے رخصت ہوا۔ سکھالین پہنچنے تک تین مہینے سفر میں رہا اور پھر وہاں تین مہینے گزارے۔

سفر کے ایک ایک مرحلے سے، منزل سے، وہاں پہنچ کر اور وہاں سے واپسی پر چے خف نے ذاتی خطوط میں، اپنی نوٹ بُک میں اور بعد کی دونوں کتابوں میں (جنھیں ایک ڈاکٹر کی غیر ادبی رپورٹ یا سفر نامہ سمجھ کر لکھا تھا) اتنی تفصیلات دی ہیں کہ آج بھی ہم چے خف کی اُس دنیا کا نظارہ کر سکتے ہیں اور اسی پر اپنے یہاں کالا پانی کی سزا کاٹنے والے لوگوں کی، انڈمان و نکوبار جزیروں کی زندگی قیاس کر سکتے ہیں :

'ٹرنک خرید اگیا۔ بڑا سا ٹرنک، جس میں کتابیں، کاغذ، نقشے، گرم کپڑے سما جائیں۔ یروسلاول تک ریل جاتی تھی۔ وہاں تک دل گرفتہ دوست احباب پہنچانے آئے۔ ٹرنک نے بھی ساتھ دیا۔ والگا دریا پر اسٹیمر کا سفر شروع ہوا۔ پھر کاما دریا کے بہاؤ میں پرم تک پہنچا۔ ○ سست رفتار ریل میں یورال کا کوہستانی سلسلہ پار کیا۔ تیومن کے آگے سائبیریا کی حد تھی اور یہی آخری ریلوے اسٹیشن بھی۔ اب آگے ہزاروں کوس چھکڑوں، ڈاک گاڑیوں اور لداؤ گھوڑا گاڑیوں کا سفر، راستے کچّے، دور دور بستیوں کا نام و نشان نہیں۔ پہیے لیکھ میں پھنس جاتے۔ ٹرنک نے ساتھ چھوڑ دیا۔ چمڑے کے تھیلے میں رہا سہا سامان بھرا۔ چائے اور ٹین بند ڈبے ٹھٹھر گئے۔ بم ٹوٹتے رہے، دُھرے نکلتے رہے۔ بدن کا جوڑ جوڑ چٹخ گیا۔ مگر واہ، کیا لطف ہے! سورج کو اُفق سے طلوع ہوتے دیکھنا اور غروب تک دھوپ اور کُھلی ہواؤں میں رہنا۔ پورا مہینہ آسمان کے نیچے گزرا۔ غضب کی سردی نے ہاتھ پاؤں شل کر دیے۔ چلتی اور اچھلتی گھوڑا گاڑی میں سے سامان سرک سرک کر نیچے گر جاتا ہے اور خستہ حالت میں اٹھایا جاتا ہے۔ ایک بار گاڑی اُلٹ گئی۔ کئی بار گاڑی نالے میں پھنس گئی۔ یخ بستہ پانی میں کود کر گھوڑوں کو پار کھینچنا پڑا۔ بار بار گاڑی کا وزن ہلکا کرنے کے لئے میلوں پیدل چلنا پڑا۔ اگر

---

○ اس شہر کا نام بعد میں " مولوتوف " رکھا گیا تھا۔ خروشچیوف کے دور میں وہ پھر بدل دیا گیا۔

سیدھی کرنے کی گنجائش نہیں۔ اول اول تو نیند کا غلبہ رہا، پھر نیند اُڑ گئی۔ اوپر سے بارش، نیچے گھٹنوں گھٹنوں پانی، جوتوں کے تلے نکل گئے۔ نزلہ ہوا۔ بخار چڑھ گیا۔ سفر جاری رہا۔ ایک جھونپڑی میں سر چھپانے کا ٹھکانا ملا۔ فوجی جنرل بھی ہمسفر ہو گیا۔ اُسے گرم بستر اور خشک کپڑے دیے گئے۔ بھیگا ہوا بیمار ڈاکٹر چے خف زمین پر ہی دراز ہو گیا۔ دریائے توم پار کرتے کرتے ڈوبنے سے بچا۔ تیومن میں تین گھوڑوں کی گاڑیاں (ترویکا) اس کی ٹوٹی گاڑی میں آن پھنسیں۔ کوچوان لگام تھامے سوتے ہوئے، گھوڑے بے لگام۔ آنکھ کھلی تو سب کوچوانوں نے ننگی ننگی گالیاں ہنٹروں کی طرح برسا دیں۔ اگلے گھاٹ سے کشتی پکڑنے کے لئے رات رات بھر گھوڑے دوڑانے پڑے۔ ایک مقام پر، جہاں کوئی سرائے، دوکان یا بستی نہ تھی، بھوک نے گلا دبوچ لیا۔ صرف حسنِ اتفاق تھا کہ جان سلامت لے کر نکلا۔ تومسک اور اِرکتسک میں (جو ماسکو سے منگولیا اور چین کی طرف مُڑنے کا آخری جنکشن ہے) اتنی مہلت ملی کہ نہا دھو کر، کپڑے بدل لے اور خود کو یورپی لباس میں محسوس کرے۔ بائیکل جھیل صاف پانی کا سمندر نظر آئی جس میں جھانکو تو میل بھر اندر تہہ دکھائی دے۔ دریائے آمور پر سفر کے بارہ دن بڑے مزے میں کٹے۔ وہ لوگ جو سزا یافتہ کی حیثیت سے جلاوطن ہوتے ہوں گے، اُن میں جو قید کاٹ چکے، بڑی آزاد زندگی بسر کرتے ہیں۔ پولیس اور عدالت کا کوئی خوف نہیں۔ یہاں سزا ہوئی تو کوئی ٹھکانہ نہیں جہاں جلاوطن کیے جائیں اور جو ابھی قید میں ہیں اُن کی زبانیں بھی خوب لمبی ہیں۔ کھلے خزانے سیاست پر بحث کرتے ہیں۔ یہودی بھی اور کسانوں کی طرح جیتے ہیں۔ روسی شہروں کی طرح یہاں ان سے اونچ نیچ نہیں برتی جاتی۔ سائبیریا کے جن ڈاکوؤں لٹیروں کے ذکر سے ماسکو والے سہمتے ہیں وہ فرضی نکلے۔

"یہاں گاڑی کے سفر میں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں ہوتا۔ تیومنا سے لے کر تومسک (TOMSK) (ہزار میل سے اوپر) نہ سرکاری ڈاک گاڑی والوں کو، نہ آزاد کوچوانوں کو ایسا کوئی واقعہ یاد ہے جب کسی راہگیر کا سامان چوری ہوا ہو؛ جب آپ اسٹیشن پر پہنچتے ہیں تو اپنا اسباب احاطے میں پڑا رہنے دیتے ہیں

اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ چوری تو نہیں جائے گا، سننے والے صرف مسکرا کر رہ جاتے ہیں۔ راستے میں کہیں ڈاکے یا قتل کا ذکر بھی کوئی زبان پر نہیں لاتا۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اڈے پر یا اسٹیشن پر اگر میرا سامان کھو جائے تو کوئی بھی کوچوان لاکر دے دے گا اور اس پر فخر بھی نہیں کرے گا۔ لوگ یہاں بڑے عمدہ اور نیک دل ہیں۔ اُن کے پرانے چلن لاجواب ہیں۔

"پیٹ بھر روٹی مل جاتی ہے۔ پانی وافر۔ زمین بے کنار۔ تن ڈھانکنے کو کپڑا بھی ہے۔ مگر روحوں کو چین نہیں۔ مویشیوں کی سی بسر اوقات ہے۔ ہر شے میں کسی شے کی کمی ہے۔ لوگ محنت تو جی جان سے کرتے ہیں لیکن زندہ رہنے کے معنی و منشا نہیں معلوم۔ ینی سئے دریا پر پہنچ کر پتہ چلتا ہے کہ سائبیریا قدرت کے خزانوں سے مالا مال ہے۔ اس سے بڑھ کر شاندار دریا اپنی آنکھوں نہیں دیکھا۔ والگا کی خوبیاں اپنی جگہ، مگر ینی سئے دریا میں پانی کا وہ زور، وہ ڈیل ڈول کہ اپنی جوانی اور طاقت خرچ کرنے کی کوئی راہ نہیں ملتی۔ والگا دریا پر انسان نے معرکے سر کرنے سے ابتدا کی اور کراہوں پر انتہا۔ انہی کراہوں کو گیت کہتے ہیں"۔۔۔ ینی سئے پر زندگی کراہوں سے شروع ہوئی، معرکے سر کرنے پر جا کر انجام پائے گی۔ ایسے معرکے جو کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھے ○

"بہت دیکھا، بہت برتا، سب انتہائی دل چسپ اور انوکھا، ادیب کی نہیں، انسان کی حیثیت سے بھی ۔۔۔۔ خود رُو فطرت، پرندے، جسمانی اذیت، راہ کی کلفت، راحت، لطف، یہ سب مِل مِلا کر اتنا خوب ہے کہ لکھنا چاہوں تو لکھ نہ سکوں۔

---

○ استالن گراد کا تاریخی معرکہ (۱۹۴۳ء) جس میں جرمنوں کے کئی زبردست ڈویژن قید ہوئے، زیادہ تر سائبیریا کے تازہ دم جوانوں نے سر کیا تھا۔

" (بائیکل جھیل کے) کنارے کنارے چلے۔ دہانے پر بائیں طرف مڑ گئے یہ بائیکل کا پھیلا ہوا ساحل ہے۔ جسے سائبیریا میں سمندر کہتے ہیں۔ بالکل آئینہ۔ دوسرا کنارہ واقعی نظر نہیں آتا۔ ۹۰ کوس پر ہوگا..... لیست وے نچنیا اسٹیشن ساحل سے لگا ہوا ہے۔ اور یالٹا سے حیرت انگیز مشابہت رکھتا ہے..... پہاڑ البتہ ایسے ہیں کہ ان پر مکان نہیں بن سکتے..... "

سکھالین میں اترتے ہی اس نے آرام کیے بغیر مردم شماری کا کام اٹھالیا تاکہ گھر گھر جاکر لوگوں کی زندگی کا تفصیلی نقشہ دیکھ سکے اور مرتب کر سکے۔ تین مہینے کے اندر تمام شمالی اور جنوبی سکھالین چھان مارا۔ اب تک سیاسی اور اخلاقی جرائم میں لمبی سزا پانے والوں کو زیادہ تر سائبیریا کی طرف جلاوطن کیا جاتا تھا۔ وہ وہیں عمریں کاٹ دیتے۔ بعض تو شادی بیاہ کرکے، زیادہ تر ویسے ہی جنسی تعلقات سے بچے پیدا کرتے اور جنگل کاٹ کر بستی بسا لیتے، مقامی نیم قبائلی لوگوں میں گھل مل جاتے۔ سکھالین کالے پانی والوں کے لئے نئی جگہ تھی۔ یہاں سائبیریا کی سی سہولتیں بھی فراہم نہ تھیں۔ سورج کبھی کبھی نکلتا۔ فصل کبھی ہوتی، کبھی نہ ہوتی۔ جنگل کاٹنا، کان کھودنا، جہازوں سے مال اتارنا یہ روزگار تھا سزا یافتہ جلاوطنوں کا۔ ان میں کئی طرح کے مجرم تھے؛ کچھ تو عادی مجرم، جو خطرناک ہوتے اور بات بات پر سر اتار لیتے۔ کچھ بار بار کے مفرور، جنہیں ہتھکڑی بیڑی میں رکھا جاتا تھا۔ کچھ ایسے جو سزا کاٹ کر یہیں جھونپڑیوں میں بس گئے تھے۔ کچھ ہلکی سزاؤں والے، جو کھلے پھرتے تھے۔ قیدی عورتوں کا قافلہ اترتا تو بارکوں میں خبر پھیلتی اور ایک جشن منایا جاتا۔ شادی کے امیدوار قیدی مرد فہرست کے مطابق نمبر وار ان عورتوں کے سامنے لائے جاتے۔ بات چیت سے معاملہ طے ہوجاتا اور شادی شدہ زندگی شروع ہوتی۔ بچوں کی پیدائش یہاں روس کے عام تناسب سے کہیں زیادہ تھی اور چیخوف نے محسوس کیا کہ بال بچوں والے قیدی بھلے مانس ہوجاتے ہیں۔ بچے ان کے اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں ــــ پھر بھی ہزارہا بچے ایسے تھے جنہیں باپ کا پتہ نہ تھا۔ مرد و زن جنسی بیماریوں کا شکار تھے، نہ انھیں خطرے کا احساس تھا، نہ موت کا خوف اور نہ

مناسب علاج یا روک تھام کا انتظام ۔ گھر، گلیاں، چھتیں گندی، افلاس تصور سے بھی زیادہ، آپس میں بے رحمی کا برتاؤ، اوپر سے وارڈروں کی من مانی حکومت ۔ بات بات پر کوڑے لگائے جاتے ۔ ہر طرف قانون کے ان پڑھ اور کوڑھ مغز نگہبانوں کی طرف سے لاقانونی عمل ۔ انسان کی تذلیل ۔ اول تو عمر قید کی سزا، جس سے محض فرار کرنے کی آرزو یا کوشش کی جاسکتی ہے، دوسرے قانون کی خلاف ورزی پر اتنے کوڑے لگائے جاتے تھے کہ آدمی جانبر بھی ہو تو سڑ کر مرجائے ۔ موت کا خطرہ مول لے کر سست رفتار موت سے بھاگ نکلنے والے بھی کچھ کم نہ تھے ۔ بعض دریا میں ڈوبتے بعض سردی اور بھوک سے مرجاتے، اکثر پکڑے جاتے اور سزا پاتے ۔ جو صحیح جگہ طے کر لیتے وہ بعض اوقات کسی جاپانی جزیرے پر پہنچ کر امریکہ نکل جاتے ۔

" میں نے بھوک سے بلکتے بچے دیکھے ۔ ۱۳ برس کی لڑکیاں دیکھیں جو رکھیل تھیں اور ۱۵ برس کی حاملہ عورتیں ۔ ۱۲ سال کی عمر سے بچیاں پیشہ کرانے لگتی ہیں ۔ گرجا گھر اور اسکول صرف کاغذ پر ہیں ۔ ماحول اور جلاوطنی کے حالات ہی ان کو اپنی راہ پر لگا لیتے ہیں "

انتہائی غریبی کے علاوہ یہاں بھی انسانی محنت کے جلاد ٹھیکیدار اور منافع خور موجود تھے ۔ اور ان پر کسی قانون کی دسترس نہ تھی ۔

دس ہزار فارم بانٹے تھے اور گھر گھر جا کر فارم بھروا رہا تھا کہ اعصاب نے جواب دے دیا ۔ کام رک گیا اور نیندیں اچاٹ ہوگئیں ۔ شب و روز فارم بھروانے، تفصیلات سننے، دل شکن واقعات سننے اور دیکھنے کی تاب نہ رہی اور تین مہینے بعد، ۱۳ اکتوبر کو جیسے ہی پیتبر بورگ نام جہاز نے بحرالکاہل کا رخ کیا، چے خف اس پر سوار ہوگیا ۔ جاپان میں ہیضہ پھیلا تھا ۔ جہاز نہیں ٹھیرا ۔ البتہ ہانگ کانگ میں چینی آبادی اور انگریزی عملداری کا گنگا جمنی منظر اسے خوب پسند آیا ۔

" جب ہم نے ہانگ کانگ چھوڑا تو ہمارا اسٹیمر بری طرح ڈولنے لگا ۔ سنتولن (Ballast) بغیر چلا جا رہا تھا ۔ اور بعض وقت ۳۸ ڈگری جھونک کھا جاتا تھا ۔ چناں چہ

ہمیں اندیشہ ہوا کہ ڈوب جائے گا۔ سمندر کے سفر سے میرا دَم نہیں الٹتا، اتنا پتہ چلتا تھا کہ قلب کو راحت ملی۔ سنگاپور کی طرف بڑھتے وقت ہم نے (مسافروں کی) دو لاشیں سمندر میں پھینکیں۔ جب آپ کوئی لاش دیکھتے ہیں جسے بادبان کے کپڑے میں لپیٹ کر دور پانی میں الٹا سیدھا پھینکا گیا ہو اور جب سوچتے ہیں کہ سمندر دو میل گہرا ہوگا تو رگ و پے میں خوف اتر جاتا ہے اور نجانے کیوں یہ خیال ستانے لگتا ہے کہ آپ بھی (یوں ہی) مرنے والے ہیں اور سمندر میں اسی طرح پھینک دئے جائیں گے۔

"میری یاد میں سنگاپور بہت کم رہ گیا۔ کیوں کہ جب ہم وہاں سے گزرے تھے میرا دل بیٹھا جا رہا تھا اور میں رونے والا تھا۔ پھر ہم سیلون پہنچے اور سیلون جنت نکلا۔ یہاں میں نے بندرگاہ سے اندر ستر ۷۰ میل تک ریل کا سفر کیا۔ تاڑ کے باغوں اور کانسی کے رنگ کی عورتوں سے اپنے حصے کا فیض اٹھایا۔ جب میرے اولاد ہوگی تو اس پر شان جتاؤں گا اور کہہ ڈالوں گا: اے بِلّو، میرے بھی دن تھے جب میں نے سیہ چشم ہندوستانی لڑکی سے محبت کا لطف لیا۔ وہ بھی کہاں؟ ناریل کے جنگل میں چاندنی رات میں۔

"سیلون سے ہم برابر ۱۳ دن رات سمندر پر رہے، صرف ایک جگہ ٹھہرے، اکتاہٹ سے دم نکل گیا۔ گرمی مجھ سے خوب برداشت ہوتی ہے۔ بحر قلزم اداس کرتا ہے۔ کوہ سینائی کو دیکھا تو دل پر بڑا اثر ہوا۔ خدا کی یہ زمین خوبصورت ہے۔ بس ایک چیز خوبصورت نہیں۔ اور وہ ہم خود۔ ہم میں انصاف اور شرافت کی کس قدر کمی ہے۔ محبِ وطن کا مطلب ہم نے کتنا کچا سمجھ رکھا ہے! ایک گیا گزرا شرابی آدمی، جو کسی کرم کا شوہر نہیں اپنے بیوی بچوں سے محبت کرتا ہے۔ مگر یہ محبت کس کام کی؟ اخباروں میں لکھا ہے کہ ہم اپنے عظیم وطن کو بہت چاہتے ہیں۔ مگر یہ محبت خود کو ظاہر کیسے کرتی ہے؟ علم کے بجائے اتھاہ جہالت اور خود فریبی میں! سخت محنت کے بجائے کاہلی اور گند میں۔ انصاف کا کہیں پتہ نہیں۔ دوسرے کا احترام وہیں تک محدود ہے جہاں "سرکاری وردی کا احترام" کرنا ہو۔ ایسی وردی جو اکثر قیدیوں کے کٹہرے میں نظر آتی ہے۔ ضرورت ہے اصل میں محنت اور کام کرنے

کی۔ باقی جائے جہنم میں ۔۔۔۔۔۔"

سوودرین کے نام اس تفصیلی خط کا اقتباس دینا یوں بھی ضروری تھا کہ وطن واپس آتے ہوتے چے خف کے موڈ ، مزاج یا لہجے میں ایک خاموش تبدیلی کی جھلک یہاں نظر آتی ہے اور ہم اس زینے پر قدم رکھ کر مصنف کے ذہنی ارتقا میں جھانک سکتے ہیں۔ سفر کے فوراً بعد جو کہانیاں لکھی گئیں ان میں بھی یہ تاثر صاف دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً گوسیف (GUSEV) کہانی ، جس میں اس نام کا فوجی ایک جہاز پر مرجاتا ہے اور اور اس کی لاش سمندر میں مردہ مچھلی کی طرح پھینک دی جاتی ہے۔ واقعہ بظاہر معمولی ہے لیکن مصنف نے انتہا درجے کی جذباتی شدت اور قلبی رقت اس میں بھر دی ہے ، اس نے افسانے کو ایک لافانی تاثر بخش دیا۔

پٹیر سبورگ جہاز استانبول اور درہ دانیال سے گزر کر بحر اسود میں داخل ہوا اور اودیسہ کی بندرگاہ سے ماسکو جانے والی ریل کی پٹریاں چمکنے لگیں۔ جب وہ نئے مشاہدوں ، راحتوں ، اذیتوں اور نگاہ کی وسعتوں سے بھرا پُرا اپنے گھر ماسکو پہنچا تو شہر کرسمس کے تیوہار کی تیاری میں سج رہا تھا۔

آتے ہی اس نے دوستوں اور اخباروں میں اس عبرتناک مگر کامیاب سفر کے واقعات بیان کیے تو گویا ظلم و جبر کی داستان کے ساتھ قدرت کی فیاضی اور انسان کی بے فیضی سے بھری ہوئی ایک انجانی دنیا آنکھوں پر روشن ہوگئی۔

مگر ابھی صاحبِ قلم اور ڈاکٹر کو اپنا "قرض ادا کرنا" باقی تھا۔ جب اس نے یکسوئی کے ساتھ "سکھالین جزیرے" نام کی رپورٹ تیار کرنی چاہی تو لکھ نہ سکا۔ دل و دماغ نے ساتھ نہ دیا۔ جسم ابھی آرام چاہتا تھا اور روح اس خواب پریشان سے دو ایک سال کا وقفہ۔

تالستائے کے احترام کے باوجود اس نے اپنے تاثرات کی گہرائی اور کرب کا اظہار ان الفاظ میں کر ہی دیا :

جب تک باہر نہیں گیا تھا ، تالستائی کی تصنیف KREULZER SONATA مجھے

زبردست واقعہ معلوم ہوتی تھی اور اب اس پر ہنسی آتی ہے، بے معنی لگتی ہے.....
سیر و سفر کی بے پناہ تمنا نے ابھی چے خف کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ سوودرین نے بہار کے موسم میں ویانا اور پیرس چلنے کی دعوت دی اور چے خف ۱۹ مارچ ۱۸۹۱ء کو ویانا کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس شہر کا طرز تعمیر اور نرم، متناسب تہذیب اسے بہت پسند آئی، وہاں سے قدیم ہنرمندوں اور خوابوں کی سرزمین اطالیہ میں قدم رکھا۔ وینس اور فلورنس، نیس، روم، نیپلز اور پومپیئی دیکھا۔ اٹلی میں اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ فنی شاہکار گھٹیا قسم کی تصویروں اور مورتیوں میں بھنچے ہوتے پڑے ہیں۔ قدامت پرستی گھٹیا مال کو بھی قدیم سمجھ کر سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ افسوس ہوا کہ جس گھر میں کبھی عظیم فنکار دلیسدی مونا رہتی تھی اب وہ گھر کرائے پر اٹھایا جا رہا ہے۔

دو سال بعد جب "انجان آدمی کی کہانی" افسانہ شائع ہوا تو اس کا اصل کردار، تھکا، نڈھال، اور اداس کردار وینس میں دیسدی مونا کا مکان دیکھ کر بیک وقت لطف اندوز اور غمگین ہوتا ہے اور کہتا ہے "کیا دل گرفتہ پیارا سا مکان ہے جیسے جھالر۔ راحت، سکون اور آسائش و اطمینانِ قلب کے اس خلوت کدے میں تھوڑا سا عقیدہ بھی شامل ہو جاتا تو کیا اچھا ہوتا...؟"

کچھ اسی انداز کے جملے چے خف کی نوٹ بک میں بھی ملتے ہیں، جہاں وہ لکھتا ہے کہ اعتقاد ایک روحانی صفت ہے۔ جانوروں میں سرے سے ہوتی نہیں۔ نامہذب لوگوں میں خوف اور شک و شبہ ہوتا ہے، البتہ ترقی یافتہ فطرت (انسانی) کے پاس ایمان و اعتقاد کی صفت ہے۔ مسلسل سفر، انسانی مصائب کے مشاہدے، حالات کی بے ثباتی نے غالباً اسے یہ جتا دیا کہ زندگی کو ایک رخ دینے کے لئے کسی نہ کسی عقیدے یا ایمان کی قوت درکار ہے، بعد کے عمل اور افسانے، ڈرامے کے کرداروں میں بھی یہ ذہنی رَو جلوہ گر ہوگئی ہے۔

اٹلی سے ہی وہ یورپ کی مشہور قمار نگری مونٹے کارلو پہنچا، وہاں تجربے کی

خاطر ۵۰۰ روبل کی کثیر رقم جوے میں لگائی اور ہار گیا (بعض تذکرہ نگاروں نے ۹۰۰ روبل کی رقم ہارنے کا ذکر کیا ہے) اس قیمت پر ہارے ہوئے جواری کی کیفیت کا احساس خریدنا کچھ مہنگا نہیں پڑا ○ اور وہ اپنے کیے پر پچھتایا نہیں۔ سووورین قرض دیے جانے پر آمادہ تھا۔

یوروپ کی صفائی، شائستگی، علم و فن کی دولت، آزاد خیالی سے متاثر ہونے کے باوجود تکلف، تصنع اور سامانِ عیش کی کثرت اور اسرافِ بے جا کا نظارہ اسے برابر کچو کے دیتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ روس اور یوروپ کے درمیان اتنا فرق نہیں جتنا یوروپ اور ایشیا کے درمیان ہے۔ ایک ہی وقت میں انسانی تمدن کے دو نمونوں کے درمیان یہ زبردست فاصلہ اسے ہولناک نظر آیا ○○

دستوئیفسکی نے کہیں لکھا ہے کہ روسی کی جیب میں رقم اور سر میں عیش کا سودا ہو تو وہ سیدھا پیرس کا رخ کرتا ہے۔ یہ دونوں ہمسفر بھی پیرس پہنچے۔ تصویروں کی نمائش گاہ میں گئے۔ مگر حیرت کا مقام ہے کہ چے خف کو اپنے روسی مصوّروں کے کام کے سامنے فرانسیسی فن بالکل نہیں جچا؛

روسی مصوّر فرانسیسی مصوّروں سے کہیں زیادہ سنجیدہ ہیں۔

یہاں جو منظر پینٹ کیے گئے ہیں، اُن کے آگے لیوی تان بادشاہ ہے ○○○

مئی کا آغاز تھا کہ چے خف ماسکو واپس آ گیا۔ مگر اب ماسکو اور پیٹیر سبورگ کی اعلا سوسائٹی پر، ہتیاروں اور ڈھیاروں کی کشمکش پر اس کا دھیما لہجہ بدل چکا تھا۔ چے خف تو وہی تھا، آواز وہ نہ تھی۔

---

○ اس موضوع پر دستوئیفسکی نے بے مثل ناولٹ لکھا ہے "جواری" (IGROKI) ترجمہ ظ ا، مطبوعہ ماسکو۔

○○ تقریباً یہی تاثر جواہر لال نہرو کے سفر نامۂ یوروپ سے ظاہر ہوتا ہے۔

○○○ لیوی تان (۱۸۶۱-۱۹۰۰) مشہور روسی مصوّر، چے خف اور اسکے بھائیوں کا بے تکلف دوست۔

روسو نے کتاب "معاہدۂ عمرانی" (CONTRACT SOCIALE) میں جو الفاظ لکھے تھے کہ 'انسان آزاد پیدا ہوا ہے لیکن ہر جگہ اس کے پاؤں میں زنجیریں ہیں'، کارل مارکس نے اس خیال کو اپنے "کمیونسٹ مینی فسٹو" میں اور آگے بڑھایا:

دنیا بھر کے جفاکشو، متحد ہو جاؤ، تمہارے پاس کھونے کو کچھ نہیں، سوائے غلامی کی زنجیروں کے'۔ سوامی وویکانند نے راس کماری پر اپنے پیچھے زمین اور تین طرف بے کنار سمندر دیکھ کر ہندستان کی آزادی کی پیش گوئی کی۔ اور چے خف کا جہاز اسی راس کماری سے گزرا تو وہ یہ پیغمبرانہ پیشگوئی کاغذ پر نقش کر چکا تھا:

"...آئندہ یہاں' (دُور مشرق کے) اس ساحل پر جو لوگ زندگی بسر کریں گے، وہ ہم سے زیادہ خوش نصیب ہوں گے ...... حقیقی آزادی کا لطف اٹھائیں گے ......"۔ میں کھڑے کھڑے سوچتا رہا، جب وقت آئے گا تو اِن ساحلوں پر کیسی بھرپُور، کیسی ہوشمند اور بے باک زندگی کی کِرَن پھوٹے گی .....!

(۴)

"اگر ہر شخص اپنے قطعۂ زمین پر، جو کچھ اس سے بن پڑے، کر جائے تو یہ ہماری زمین کیا لاجواب جگہ ہو جائے!"

"اگر میں ڈاکٹر ہوں تو مجھے بیماروں اور ہسپتال کی ضرورت ہے۔ اگر ادیب ہوں تو لوگوں کی۔ مجھے...... لوگوں کے درمیان جینا چاہیے ..... چاہے ایک ٹکڑا ہی ملے مگر سماجی اور سیاسی زندگی کا چھوٹا سا ٹکڑا ضرور ملنا چاہیے..... چار دیواری کے اندر کی یہ زندگی، جس میں نہ مناظرِ فطرت ہیں، نہ لوگ، نہ وطن

کی مٹی...... یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔"

کھلی ہوا میں رہنے کا آرزومند انتون پاولووچ چیخف اب کھلے دل والے لوگوں کے درمیان، اُن کے مسائل میں شریک ہوکر بھی جینا چاہتا تھا۔ اور جس مستقبل کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی، اس کا اپنے ذہن سے ہی نہیں، تن بدن سے بھی استقبال کرنے کے لئے آمادہ تھا۔

گھر والوں نے شہر سے ننو میل باہر دریائے اوکا کے ساحل پر ایک معمولی سا بنگلہ کرائے پر لیا۔ چیخف نے گرمیاں وہیں گزاریں۔ جہاں وہ پہنچتا وہیں مریض، عقیدتمند، ضرورتمند، احباب، فنکار، پبلشر، عزیز رشتہ دار بھی آپہنچتے۔ یہاں بھی وہی میلہ لگ گیا۔ مگر اسے فکر تھی سکھالین پر اپنی یادداشتوں سے مضامین اور کتاب تیار کرنے کی۔ چناں چہ صبح سویرے اُٹھتا، تھوڑی سی کافی پی کر کاغذوں پر جھک جاتا۔ دن چڑھے تک کام کرتا۔ دن میں مریضوں کی خبرگیری۔ دوپہر کو کسی قدر آرام۔ سہپہر کو یارباشی۔ دن چھپنے سے پہلے رات گئے تک پھر کام۔ بظاہر مہمان نوازی کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا، کام کے درمیان ہی ستانے کو، وہ لوگوں سے مل ملا لیتا۔ شرارتوں، چٹکلوں اور باتوں سے اپنا اور ان کا جی خوش کر لیتا۔

۹۱-۱۸۹۰ میں قحط پڑا۔ کسانوں نے گھوڑے کاٹ کر کھا لیے۔ زمینیں بیچ ڈالیں۔ چیخف قحط زدہ لوگوں کی طبّی اور مالی امداد کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ گاؤں گاؤں گھوما اور یہ دیکھ کر سخت بددل ہوا کہ امداد کی سرکاری اسکیمیں کاغذ پر ہیں، شاندار دعوتیں میز پر اور عمل کی قوت بحثوں میں خرچ ہو جاتی ہے۔ بڑے شہروں سے جو کوئی بھی ریلیف کا کام کرنے آتا ہے وہ اسی دائرے میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ اس نے احتجاج کی صدا بھی بلند کی۔ اور جو کچھ بن پڑا، وہ بھی کیا۔

دو برس سکھالین پر رپورٹ تیار کرنے میں گزرے۔ اور ۱۸۹۲ء تک کے ڈھائی سال میں صرف چار قابلِ ذکر کہانیاں منظرِ عام پر آئیں۔ "گھوڑا چور" اور "گوسیف" کے بعد "ڈوئل /Дуэль/ اور" جورو بیّں" /Баба/ ۔ ڈوئل کو ایک ناول ہونا

تھا لیکن وہ مصنف کی نہایت طویل اور اہم کہانی ہوکر رہ گئی۔ ڈرامے کے فن پر اس نے توجہ مرکوز کی مگر ایک بھی ڈرامہ مکمل نہ ہوسکا۔

اگلے سال ماسکو کے جنوبی قصبوں میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ اسی نواح میں میلی خووا (MELIKHOVO) چے خف نے بڑا سا پرانا بنگلہ خریدا اور یہیں بس جانے کی نیت سے اس کی مرمت شروع کرائی تھی۔ ایک طرف سارے خاندان کو بنگلے کی درستی پر لگائے، ہوئے خود بھی باغیچوں کے سنوارنے میں محنت کرتا، دوسری طرف مریضوں کی دوا اور غذا کے انتظام میں لگا رہتا۔ کسانوں کے گھروں کی صفائی کراتا۔ دوائیں چھڑکواتا۔

پریسٹلے نے ان حالات میں چے خف کے آہنی عزم اور لگن کی بے اختیار داد دی ہے اور لکھا ہے کہ:

"چے خف میں اس وقت انتہائی حساس، عملی، تنظیمی اور تخلیقی انسان باہر نکلنے کے لئے بیقرار تھا جو دکھانا چاہتا تھا کہ کیا کچھ کرسکتا ہے ........ گویا اس کے اندر تیسرا آدمی تھا، عملی، انتظامی، اور حکم کی تعمیل کرانے والا، جو موقع کی تاک میں لگا ہوا تھا اور اب اسے موقع ملا۔ اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا"

خود اسی نے اپنی نوٹ بک میں یہ لفظ لکھے تھے:

مسلمان کنواں بناتے ہیں کہ روح کو ثواب پہنچے۔ کیا اچھی بات ہو اگر ہم میں سے ہر ایک شخص کوئی نہ کوئی اسکول، کنواں یا اسی قسم کی کوئی چیز چھوڑ جائے۔ تاکہ ہماری زندگی مٹی میں نہ مل جائے .....

اور واقعہ یہ ہے کہ لفظوں کے اس آقا نے خود اپنے لفظ کو عمل میں تبدیل کرکے دکھایا۔ کرنے ئی چوکوفسکی نے ہمیں خبر دی ہے کہ:

بہت کم لوگوں کو یہ خبر ہوگی کہ تگان روگ میں سمندر کے سنگین سینے پر پیٹر اعظم کا مجسمہ نصب کرانے میں چے خف کا ہاتھ تھا۔ اسی نے پیرس میں مقیم انتاکولسکی، بت تراش کو راضی کیا کہ وہ یہ مورتی شہر کو نذر کردے، مارسیلز سے وہاں تک لانے کا

اہتمام بھی خود کیا، جگہ بھی خود چنی اور جشن بھی منایا...... یہیں اپنے شہر میں اتنی بڑی لائبریری قائم کرائی کہ پورے صوبے میں نہیں تھی - دو ہزار کتابیں ذاتی کتب خانے کی دے دیں، بڑی بڑی شخصیتوں کی تصاویر نذر کر دیں اور چودہ برس تک برابر کتابیں خرید خرید کر بھجوا تا رہا۔

کبھی وہ ماسکو میں پہلا عوامی کلب قائم کرانے کی تدبیروں میں لگا ہوا ہے جہاں کتب خانہ، مطالعہ گھر، لیکچر ہال اور تھیٹر ہو، کبھی جلدی امراض کا دواخانہ بنوانے میں سرگرم ہے، کرائمیا میں پہلا بایولوجیکل ریسرچ سنٹر کھلوانے کی کوشش ہو رہی ہے، تب وہ موجود ہے، سکھالین کے اسکولوں کو مفت کتابیں سپلائی کرنے کے لئے شہر میں کتابیں اکٹھی کی جارہی ہیں وہ آگے آگے ہے، ماسکو کے نزدیک (غالباً میلی خووا میں) علاقے کے آدمیوں کی مدد سے تین اسکول کھڑے کرا دیے......

جہاں جاتا، ضرورت کی عمارتیں بنواتا، اور خود شریک ہو کر باغیچے لگواتا، خود کہا کرتا تھا کہ اگر میں ڈاکٹری اور ادبی پیشے میں مصروف نہ ہوتا تو ضرور باغبان ہوتا۔ یوں انسانی راحت و مسرت میں جس چیز سے بھی کچھ نہ کچھ اضافہ ہو، وہ اس میں لگ جاتا تھا، اسے اپنا لیتا تھا۔ خون تھوکتے رہنے کے باوجود آنے جانے والوں کو ہر ممکن تدبیر سے ہنسانا بھی اسی نیت سے ہوتا رہا۔

میلی خووا میں بنگلہ، باغیچہ، کلینک، تالاب، مطالعہ گھر، مہمان گھر اس احتیاط، اہتمام اور سلیقے سے بنوایا کہ آج بھی وہ اسی طرح برقرار اور چےخف کے پرستاروں کے لئے زیارت گاہ ہونے کے علاوہ ایک سیر گاہ بھی ہے ○

یہیں پہنچ کر کھلتا ہے کہ چےخف کی حد سے بڑھی ہوئی مہمان نوازی، نوجوانوں اور ضرورتمندوں کی سرپرستی کے علاوہ اس مکان کی بھی کشش ضرور ہوگی جو آنے

---

○ ان سطروں کے لکھنے والے نے سکھالین کے علاوہ قریب قریب ان تمام مقامات کی زیارت کی ہے جن سے چےخف کو نسبت ہے۔

دن یہاں نئے پرانے چہروں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ اس کی بہن ماریا کا بیان ہے کہ

'نوجوان اپنے مسودے، بیمار اپنے مرض اور کسان اپنے مسائل لیے ہر وقت اس کے در پر کھڑے رہتے تھے...... وہ نجانے کس طرح سب کے لئے وقت نکال لیتا تھا۔

میلی خوو میں ہر سال کم از کم ہزار مریضوں کا مفت علاج بھی کرتا اور ہر ایک کی دوا دارو کا بندوبست بھی اپنے ذمے لیتا......"

یہ ۱۸۹۲ء کا زمانہ ہے جب چیخف شہر سے اس بنگلے میں مستقل قیام کے ارادے سے چلا آیا۔ اسی سال "نیا زمانہ" (پیٹرسبورگ) میں اس کی آخری کہانی "خوف" /Страх/ شائع ہوئی اور سنجیدہ ماہنامے "روسی فکر" /Русская мысль/ کے گیارہویں شمارے میں شہرۂ آفاق افسانہ "وارڈ نمبر ۶" شائع ہوا۔ کئی سال پہلے کی لکھی ہوئی "بے لطف کہانی" پر یہ اگلا بے باک قدم تھا۔ وہاں تو صرف سائنسی اداروں کی گمرہی، بے عملی اور حقیقت سے بے خبری پر ہی طنز تھا، یہاں اس نے سماج میں ظلم و ناانصافی کو شدت سے دکھا کر پورے روس کو وارڈ نمبر ۶ کہہ دیا جہاں دیوانے، خونی، اور بے رحم عیش کرتے ہیں، دانشوروں کا بس نہیں چلتا، قانون و ضابطہ کے نام پر جدتِ فکر رکھنے والے قربان کر دیے جاتے ہیں اور دیوانہ گرو موف، صبر و ضبط کے حامی بے بس ڈاکٹر راگین کو اِس پاگل خانے کے ایک پلنگ کا شکار دیکھ کر چیخنے لگتا ہے:

اچھا تو بڑے میاں، تمہیں بھی یہاں ڈال دیا گیا..... بہت خوشی ہوئی تمہیں یہاں دیکھ کر۔ دوسروں کا خون چوسنے کے بجائے اب تمہارا خون چوسا جائے گا۔ بہت خوب۔ .....کم بخت زندگی، اور یہ زندگی زیادہ کڑوی اور ناقابلِ برداشت اس لئے ہو جاتی ہے کہ اس کا خاتمہ نہ تو ان تمام دکھوں کے صلے کی شکل میں ہوگا، نہ انسان دیوتا بن جائے گا جیسا ناٹک میں ہوتا ہے، بلکہ موت کی صورت میں آئے گا۔ کچھ ملازم بڑھیں گے اور ڈنڈا ڈولی کر کے لاش ایک غار میں ڈال دیں گے۔"

لینن نے اسی کہانی پر اپنی بہن انّا سے کہا تھا:

"کل شام جب میں نے یہ کہانی پڑھ کر ختم کی تو میرا دم اس قدر گھٹنے لگا کہ میں اپنے کمرے میں نہیں ٹھہر سکا۔ بے اختیار اٹھا اور باہر نکل گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا میں خود وارڈ نمبر ٦ میں مُقفل کر دیا گیا ہوں۔"

میلی خوؤو میں چے خف اور اس کے خاندان کا قیام کوئی ساڑھے چھ سال رہا۔ یہیں سے اس نے دنیا کو ادبی شاہکار دیے۔ کئی دیہات کی طبی ذمہ داری سرکاری طور پر لے لی۔ بہار کا موسم آتے ہی وہ دوروں پر نکل جاتا۔ لوگوں کو سڑکیں، ہسپتال اور اسکول بنانے کی ترغیب دیتا، ان کی تدبیروں میں شریک ہوتا۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کی میٹنگوں میں، فیصلوں میں شریک ہوتا۔ سردیوں میں سیر و سفر سے ہاتھ اٹھا کر شب و روز لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتا۔

قرض اتنا چڑھ چکا تھا کہ کہیں سے یک مشت دو لاکھ روبل ہاتھ آنے کی آرزو کیا کرتا تھا کہ فراغت نصیب ہو۔ خاندان ابھی تک اس کا دست نگر تھا اور ایک خاندان کیا، عزیز و اقارب کے علاوہ ہمسائے اور اجنبی تک اس سے مانگتے نہ شرماتے تھے۔ کتابوں کے، ایک کے بعد ایک، اڈیشن نکل رہے تھے۔

شاہ خرچی تھی تو باہر سے دیکھنے والوں کو تہی دستی کی کیا خبر! رونالڈ ہنگلے نے تو خطوط اور نوٹ بک سے یہ نتیجہ بھی نکال لیا ہے کہ دو لاکھ روبل کی بچکانہ توقع میں چے خف نے اپنے اور گھر والوں کے نام لاٹری کے ٹکٹ تک خریدے۔

پریشانیاں اور مصروفیتیں جتنی بھی رہی ہوں، زندگی کا قرض ادا کرنے میں اس نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

روسی رسالے کے دو شماروں میں "ایک اجنبی آدمی کی کہانی" شائع ہوئی اور ١٨٩٣ء میں ہی "جزائر سکھالین" /Острова Сахалина/ کی روداد قسط وار نکلنے لگی۔ جب کتاب تیار ہوئی تو ٥٠٠ صفحے کی تھی اور مصنف کو فخر

تھا کہ اس نے آج تک اس سے بڑھ کر کوئی کارِ خیر نہیں کیا۔

روس کے سماجی، طبی، علمی اور ادبی حلقوں میں "جزائر سکھالین" کی اشاعت بہت گونجی۔ روسی مصنف یرمیلوف لکھتا ہے:

" سائنسی حلقوں میں بھی اور عام پڑھنے والوں میں بھی اس کتاب نے زبردست اثر ڈالا۔ گونج اتنی زبردست تھی کہ زار گورنمنٹ کو مجبور ہو کر ایک کمیشن بٹھانا پڑا جو سکھالین کے معاملات "ضابطے میں لائے" لیکن ظاہر ہے کہ اس کا حاصل حصول تقریباً کچھ نہ ہوا۔

"دل چسپ بات یہ کہ چے خف جو اپنی تحریروں سے خود کبھی مطمئن نہیں ہوتا تھا اس بات پر بہت خوش ہوا کہ میری " ادبی پوشاکوں کی الماری میں یہ قیدیوں کا سا کھردرا جبّہ بھی ٹنگا ہوگا۔"

خارہا از اثرِ گرمیِ رفتارم سوخت
منّتے بر قدمِ راہرو انست مرا ○

(غالبؔ)

"جزائر سکھالین"، "ڈوئل" (طویل افسانے)، "وارڈ نمبر ۶" کی اشاعت نے چے خف کو زندہ روسی ادیبوں میں تالستائے کے بعد سب سے اہم مقام عطا کر دیا۔ سکھالین کی رپورٹ میں اس قدر تحقیقات اور چھان بین سے کام لیا گیا تھا کہ خود مصنف اسے "تین کتی رسس" کے برابر شمار کرتا تھا مگر عبرت کا مقام ہے کہ اکادیمی کے ڈاکٹر ممبروں نے (غالباً پیشہ ورانہ حسد کے مارے)، یہ تجویز ٹھکرا دی کہ چے خف کو اس علمی کارنامے پر ڈاکٹریٹ دی جائے۔

'ارے یہ تو وہی ہے اپنا انتوشا چے خونتے، ڈاکٹری رپورٹ ہی تو لکھی ہے

---

○ ترجمہ، میری رفتار کی تیزی کی وجہ سے بہت سے کانٹے جل کر رہ گئے راستہ چلنے والوں کے قدم پر میرا احسان رہا۔

اُس نے ، اور کیا !"

۱۸۹۲ء میں ہی اس کی کہانی " بھونرا " /Попрыгунья/ شائع ہوئی ، جس میں ایک خاموش ، گہرا ، باوقار ، بے ضرر اور ایثار پیشہ ڈاکٹر ڈیموف خناق کے بیمار کو موت سے بچانے کے لئے اس کا زہر چوس لیتا ہے لیکن بیوی نامور فنکاروں ، " بڑے آدمیوں " چمکتے دمکتے مصوّروں میں ، محفلوں میں اُڑی پھرتی ہے ، بے وفائی کرتی ہے اور سادہ دل شوہر کی موت پر رُسوائی کا شکار ہوجاتی ہے ○

لچھے دار باتیں بنانے والے فیشن ایبل ، نام نہاد فنکار اور کم سخن مگر ٹھوس علمی خدمات انجام دینے والے سائنس داں کا یہ موازنہ علمی ادبی حلقوں میں گفتگو کا موضوع بن گیا۔ ایک روسی سائنس داں پیچینف کی موت کی طرف اشارہ سمجھ کر جانکار حلقوں میں مصنّف پر بہت لے دے ہوئی۔

کئی ایک سماجی سرگرمیوں کے علاوہ چیخف نے ۱۸۹۳ء کے ختم تک اپنی دو اہم ذمہ داریاں نپٹا دیں :

" جزائر سکھالین " کی مکمل اشاعت اور میلی خووو بنگلے اور باغات کی حسب منشا درستی۔ تالاب ، ثمر دار پودے ، کھیت ، کیاریاں ، پھولوں کے تختے ، رَوِشیں ، پگڈنڈیاں کُنج ، گلپوش سائبان ، درخت ، پنجرے ، کٹہرے ، گھوڑے ، کتّے ، چڑیاں ، گلہریاں ، کبوتر ، مچھلیاں ، سبھی شوق پورے کیے۔ بلّیوں کا شوق نہیں تھا ، سو بلّی کو احاطے میں نہیں گھسنے دیا۔

روز صبح چار بجے اُٹھتا ، باغیچے کی خدمت کرتا ، کیاریاں صاف کرتا ، قلمیں تراشتا ، چڑیوں کو صبح ہوتے دانہ ڈالتا۔ پھر کاغذ سیاہ کرتا — اور دن چڑھے دور و نزدیک کے

---

○ غور طلب بات یہ کہ اس افسانے کا نام رکھا تھا " بڑا آدمی " مگر چیخف کے مزاج کے مطابق نہیں تھا یہ لفظ ، کافی مشوروں کے بعد چھپنے سے پہلے یہ نام بدلوادیا۔

مریضوں اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے اہلکاروں سے نبٹنا ۔ میلی خووو میں اتنا مصروف رہا کہ ابھی دس بارہ سال پہلے تک بوڑھے کسان یاد کرتے اور بتاتے تھے کہ چے خف کے یہاں پر منتقل ہونے سے پہلے یہ علاقہ کتنا پچھڑا ہوا تھا ۔ اس نے خود کھڑے ہو کر سڑکیں اور تین درسگاہیں بنوائی ہیں ۔ گاؤں میں ایک اسکول کی تعمیر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کے بھائی نے لکھا ہے کہ :

"جس دن نووا سیلکی میں اسکول کا افتتاح ہوا ، کسانوں نے انہیں ماڈل دیا اور نمک روٹی ......

مجمع کے سامنے بولنے میں میرا بھائی کچا تھا ۔ گڑبڑا کر اُن لوگوں کی احسانمندی کا جواب دیا ۔ مگر چہرے سے اور آنکھوں کی چمک سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت مگن ہے ۔"

۱۸۹۴ء کی گرمیاں شروع ہونے تک وہ ملک سے باہر جانے کے لئے کمربستہ ہو گیا ۔ پہلے یالٹا گیا ، واپس آگیا ۔ پھر دوبارہ ویانا کا رُخ کیا ۔ اسے دل و جان سے پسند تھا ۔ عباسیہ ، ٹریسٹ ، وینس (VENICE) میلان ، جنیوا ، نیس ـــــ اور وہاں سے دوبارہ پیرس ۔ سردیوں سے پہلے وطن واپس آپہنچا ۔ پھر وہی میلی خووو اور شب و روز کی مصروفیت ۔

اس سال افسانہ " زنانہ راج " چھپا اور ایک ضخیم مجموعہ " چھوٹی بڑی کہانیاں " شائع ہوا ۔ غالبًا یہ سال سیر و سفر اور اگلے فنّی سفر کی تیاریوں میں بسر ہوا ۔ ناول کی نیت تھی ، لیکن ناولٹ مکمل ہوا ۱۸۹۵ء میں ـــــ " تین سال " ۔

چے خف نے خود کو اس ناولٹ میں جتنا پس پردہ رکھنا چاہا ہے ، وہ اتنا ہی نمایاں ہو گیا ہے ، اس لئے بھی نمایاں ہو گیا کہ یہ جو ایک پرانی چال کے بیوپاری گھرانے کی داستان ہے ، اس میں جو کردار ہیں ، وہ سب چے خف کی زندگی کے واقعات اور تاثرات کے ذریعے ہم پر پہلے سے کھلے ہوئے ہیں ۔ اور اس میں ایک سائنسی مزاج کا ہمدرد انسان یار تسیف ہے کہ لوگوں کے دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہتا ہے ، اور

دو ٹوک لفظوں میں کہتا ہے :

دنیا بھر کے خوش مذاق پڑھنے والوں نے اس ناولٹ کو چے خف کی افسانہ نگاری کا شاہکار قرار دیا ہے جس میں نیک دل اور باشعور فرد اپنے گرد کے سماجی شکنجے میں کس کر بے بس ہو جاتا ہے۔ جب تک شکنجہ ہی نہ ٹوٹے، لوٹ کھسوٹ کے کاروبار سے فرد کا دامن پاک رہنا ممکن نہیں۔

شروع کے بعض افسانوں میں بھی "ظلوم وجہول" بیوپاری خاندان آئے ہیں، یہاں بھی، وہاں بھی نیک دل اور خوش فہم کردار اپنے ماحول کی چکی میں پس گئے، یہاں بھی۔ مگر ایک بنیادی فرق ہے۔ وہاں تاریکی میں شمع کی لَو صرف اندھیرے کی شدت دکھانے کے لئے تھی، یہاں وہ اندھیرے کا جگر چیرتی ہوئی کرن پھینک رہی ہے۔

" اوہو، یہ بچیاں کیسی بڑھ گئی ہیں! اور ان تین برسوں میں کس قدر زبردست تبدیلیاں نمودار ہو گئی ہیں .... ذرا خیال تو کرو کہ ابھی آدمی کو اور تیرہ سال، بلکہ شاید ۳۰ سال جینا ہے .... کون جانے تب تک اور کیا کچھ ہو جائے! خیر، زندگی ہے تو دیکھا جائے گا ....."

دیم گرہارڈی نے اس ناولٹ پر چے خف کی نگاہ نکتہ رس کو زبردست داد دی ہے کہ :

' یہ نگاہ سماج کے صرف کمزور کرداروں پر نہیں، بلکہ شہر و دیہات کے عام باشندے کو روشنی میں لاکر ٹٹولتی ہے۔ اگر انسان خود کو ایسی روشنی میں دیکھ لے تو اپنے حال میں مست دیکھ کر بغلیں جھانکتا رہ جائے۔ لیکن افراد تو روشن مستقبل اور امیدوں کے جھولے جھولتے رہتے ہیں اور ان کی بصیرت مسخ ہو جاتی ہے۔ ○ چے خف یوں ہولے سے (کردار کو) چھوتا ہے کہ زندگی جس لمحے میں بسر کی جا رہی ہے، اسے وہ بالکل دوسری انتہا (سرے) سے دیکھ لیتا ہے، گویا وہ لمحہ بسر کیا جا چکا۔

جرمن پروفیسر برد فورڈ نے "تین سال" پر تفصیل سے لکھتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ :

---

○ کتاب مذکور۔ ص ۱۲۵

تھامس مان (THOMAS MANN) نے جب اپنے شاہکار (BUDDEN BROOKS) لکھا اس سے چھ سال پہلے اور FORSYTE SAGA کے حصہ اول سے گیارہ برس پہلے یہ ناولٹ "(تین سال)" نکل چکا تھا۔ ۱۲۰ صفحے میں مصنّف نے کمال اختصار سے تین سال کی کہانی بیان کی ہے، وہی تاثر دیا ہے کہ ایک کے بعد ایک نسل میں لازمی طور پر کیسے فرق آتا رہتا ہے۔ یہی کہانی تھامس مان' [انگریز ادیب] جان گالز وردی نے خوب پھیلا کر کہی ہے اور صرف اتنا ہی تاثر دیا ہے....." ○

روسی تنقید نگاروں نے اس ناولٹ کی مدح میں صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں، اس کی سادگی' حقیقت پسندی اور عظیم الشان مستقبل کی پیشگوئی میں چے خف کی بصیرت اور فن کی عظمت نظر آتی ہے۔

میلی خوو میں قیام کے باقی تین سال خود اس کے حق میں بھی بڑے زرخیز نکلے۔ مختصر افسانے کے فن کو انتہائی بلندی تک پہنچا کر اس نے خود کو ڈرامے کے لئے وقف کر دیا۔ بلکہ افسانہ نگاری کے دوران بھی وہ ڈراموں پر ہی زیادہ محنت کرتا رہا۔

" ایوانوف " کے بعد اس کا دوسرا اہم اور بھرپور ڈرامہ " مرغابی " /Чайка/ تھا جو ۱۸۹۶ء میں پیٹیر سبورگ کے الیکساندر تھیٹر میں پیش ہوا مگر بری طرح ناکام ہو گیا۔ مصنّف دل شکستہ اپنے پرسکون بنگلے پر چلا آیا۔ اسی سال دو معرکہ آرا افسانے شائع ہوئے۔

" دو منزلہ مکان" ○○ اور " میری زندگی "

" دو منزلہ مکان " دراصل ایک ناکام الفت کی آہ نارسا ہے جو اس پکار پر تمام

---

○ کتاب مذکور ص ۱۸۰

○○ دراصل اس کا عنوان ہونا چاہئے تھا ! دو چھت والا مکان۔

ہوتی ہے :

" مس یوس ، تم کہاں ہو ؟ "

کہانی کا ہیرو ایک مصوّر ہے جو دیہات میں کسی زمیندار کے ہاں جاکر ٹھہرا ، پڑوس کے بنگلے میں ایک خاندان تھا ، ماں - اور دو جوان لڑکیاں - ناز و نعم میں پلی ہوئی - لیدا بڑی بہن سماجی خدمات میں دن رات محو ہے ، حسن و عشق اور اس کی دلربائیوں سے بے پروا - چھوٹی بہن ژینیا جس کی یورو پین آیا نے مس یوس کہہ کر یہی نام ڈال دیا تھا ، حسن ، معصومیت ، راستگوئی اور راست روی کا ایک نمونہ ___ مصوّر کی محبت میں مبتلا ہوجاتی ہے ، مگر بڑی بہن کو یہ سب " چونچلے " ناپسند ہیں ، وہ انکے درمیان دیوار بن کر کھڑی ہوگئی - جدائی ہوگئی کئی سال گزر گئے مگر مصوّر کا اب بھی وہی حال ہے کہ :

مدتیں گزریں تری یاد بھی آئی نہ ہمیں

ہم تجھے بھول گئے ہوں ، مگر ایسا بھی نہیں (فراقؔ)

اب بھی کبھی کبھی تنہائی اور اداسی کے لمحوں میں وہ دُھندلی سی یادیں ستاتی ہیں اور دھیرے دھیرے ، نجانے کیوں یہ خیال گزرنے لگتا ہے کہ میں بھی (کسی کی ) یادوں میں ہوں ، میری راہ دیکھی جارہی ہے اور ہم [ایک دن ] ملیں گے -

"مس یوس ، تم کہاں ہو ؟ "

برہا راگ میں سُناتے ہوئے اس افسانے (نہیں ، بلکہ گیت ) کی تان ایسے دلدوز جملے پر ٹوٹی کہ وہ روسی سوسائٹی میں ضرب المثل ہوگیا اور آج تک روز کی گفتگو میں سنائی دیتا ہے -

چیخف کے ایک خط سے یہ راز کھلتا ہے کہ اس کی کوئی منگیتر تھی " مس یوس " نام کی - اسی کی یاد میں یہ کہانی لکھی گئی ہے -

کہانی واحد متکلم میں ہے - داستان گو ایک فنکار - منظر باغیچہ ، دو منزلہ مکان (جیسا خود چیخف کا تھا ) ، بیان میں شاعرانہ نرمی ، غنائیت اور دل گرفتگی -

لیدا اور مصوّر میں جو سماجی خدمات کے مسئلے پر تلخ بحثیں ہوتی ہیں اُن میں بھی

چے خف کے دو موڑ، یا دو رُخ بلکہ دو چے خف نظر آتے ہیں۔ ایک جو' چھوٹے چھوٹے سماجی کاموں کو زندگی کی بہتری کے لئے اہم قرار دیتا ہے، دوسرا جو پورے سماجی ڈھانچے سے بیزار ہے اور سمجھتا ہے کہ بڑی بدصورتیاں چھوٹی سی خوبصورتیوں کو توڑ موڑ کر اپنی زنجیر کا حلقہ بنا لیتی ہیں۔ ان سے کچھ حاصل نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ناگواریوں کی یورش میں بھی اپنی مسرت کی تلاش جاری رکھی جائے۔

ان سب پہلوؤں کو نظر میں رکھیے تو یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ :

چے خف کو احساس ہو چلا تھا کہ تپ دق کے موذی مرض سے بچ نکلنا ممکن نہ ہوگا، زندگی کے ان آخری برسوں میں شریک زندگی کی رفاقت اور محبت کا لطف اٹھا لیا جائے،

" تنہائی اور اُداسی " کے لمحوں کو زک دے کر فنی عرق ریزی کے بہترین قطرے اپنے وجود سے نچوڑ دیے جائیں۔ پُر خلوص، جاندار اور پائدار محبت کی پیاس ان برسوں کے خطوں، افسانوں اور ڈراموں میں جھلک آئی ہے اور " سب سے دلدوز خیالات " ("SADDEST THOUGHTS") کے زخمے نے نہایت شیریں نغمے ("SWEETEST SONGS") بکھیر دیے ہیں۔

غالب امشب ہمہ از دیدہ چکیدن دارد
خونِ دل بود مگر بادۂ دوشینۂ ما ○

○ اے غالب، کل رات جو شراب ہم نے پی تھی، شاید وہ ہمارے دل کا خون ہو گی، تبھی تو خونِ دل آج کی رات آنکھوں سے ٹپکا جا رہا ہے، تھمتا نہیں۔

باب دوم

# سفر سفر
## آخری سفر

چے خف غیر ملکی سفر سے واپس آیا تھا، سال بھر بعد یوروپ روانہ ہوگیا۔
۹۸-۱۸۹۷ء کے دو سال میں زیادہ وقت ماسکو سے یا ملک سے باہر سیر و سفر اور آرام میں گزرا۔ پہلے بیارٹز کے صحت افزا مقام پر، پھر اپنے محبوب اٹلی کی آرامگاہ نیس (NICE) میں۔ مارچ سے مئی ۹۸ء تک پیرس میں۔ پیرس کے قیام کے وقت ماڈرن ڈرامے کی خوبیوں اور خامیوں کو جانچنے کا موقع ملا۔ انہیں دنوں فرانس میں دِری فیوس اور ایمل زولا کے تاریخی مقدموں کا چرچا تھا۔ چے خف نے زولا اور دری فیوس کی تائید میں زبان کھولی۔

فرانس کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں توپ خانے کا یہودی کپتان الفریڈ دِری فیوس جاسوسی کے الزام میں گرفتار ہوا۔ سیاسی روشن خیالی میں نمایاں ہونے کی وجہ سے جہاں اس کا مقدمہ کمزور ثبوتوں کے باوجود، عمر قید کی سزا اور جلاوطنی پر فیصل ہوا، وہیں فرانس کے روشن خیال حلقے اس کی تائید میں سامنے آگئے۔

شہرۂ آفاق فرانسیسی اہلِ قلم ایمل زولا نے دری فیوس کے حق میں ایک ایسا زبردست مضمون لکھا جس سے ہلچل مچ گئی۔ مضمون تھا "میں الزام لگاتا ہوں ○

---

○ (یہی عنوان تھا اس تاریخی تقریر کا جو کمیونسٹ انٹرنیشنل کے رہنما (باقی صہ ۷۶ پر)

اس تاریخی تحریر نے فرانس کی اوپر کی سوسائٹی پر، فوجی ہیڈ کوارٹر کے ذمہ داروں پر، عدالت پر بے ایمانی اور جعل سازی کے الزام کو ہوا دی۔ اب کے خود زولا پر مقدمہ چلا، مقدمے میں وہ دستاویزیں جن کی بنا پر دری فیوس کو عمر قید اور جلا وطنی ملی تھی ——— واقعی جعلی ثابت ہوگئیں۔

ملزم کو قید سے واپس لایا گیا، دوبارہ مقدمہ چلا اور پھر اسے مجرم ثابت کر کے، رحم کے بہانے سے، ریپبلک کے صدر کے فرمان خاص کے تحت "معاف" کر دیا گیا۔ زولا کو اہلِ قلم کی حیثیت سے جو ناموری حاصل تھی اس میں دری فیوس کا نام بھی شامل ہوگیا۔ ۲۰ ویں صدی کے بعض روسی شعرا نے بھی یہ نام ایک سمبل یا علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

سووورین سے اس موضوع پر بحث چھڑ گئی اور اس بار چے خف نے اپنی جانبداری پر شدت سے اصرار کیا، نتیجہ یہ کہ سالہا سال کے ہمدرد، سرپرست، دوست اور با اثر شخصیت سے تعلقات کا مضبوط رشتہ یکلخت ٹوٹ گیا ——— جس طرح اس رشتے کا قائم ہونا چے خف کی زندگی اور فن میں اہمیت رکھتا تھا، اس رشتے کا ٹوٹنا بھی اہمیت اختیار کر گیا۔

اسی سال اہم افسانہ "گنوار" /Myzhk/ شائع کرایا اور ڈراموں کا پہلا مجموعہ نکلا جس میں معرکہ آرا ڈرامہ "ماموں وانیا" شامل تھا۔

بوڑھے باپ نے دنیا کو اور عارضی افاقے نے چے خف کی صحت کو خیرباد کہا۔ کرائمیا کی آب و ہوا بظاہر اسے راس آئی تھی، فیصلہ کیا کہ میلی خووو کا یہ بنگلہ اور اس کی اراضی، جہاں محنت، راحت اور خدمت کے چھ برس گزار چکا تھا، فروخت کر کے یالٹا (کرائمیا) میں مستقل مکان بنالیا جائے۔ یہی کیا بھی اور ۱۸۹۹ء میں

---

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۷۵ سے آگے) دیمتروف نے ہٹلری گروہ کے مقابلے اور اپنی صفائی میں برلن کی عدالت میں کی تھی اور جس میں گوئبلز کو اخلاقی شکست ہوئی تھی ۱۹۳۱ء)

بسروسامان سمیت دور دراز یالٹا کی رنگین، خوبصورت، صحت بخش فضا میں اُٹھ آیا۔

صرف چند مہینے پہلے اس کی تین شاہکار کہانیاں "کنویں کا مینڈک" /Челов ек в Футляре/ "بیر" /Крыжовник/ اور "کہتے ہیں جس کو عشق" /О любви/ شائع ہوئی تھیں۔ "ڈاکٹری معائنہ" "یونچ" اور "پیاری" بھی ۱۸۹۸ء میں چھپیں لیکن مسودہ پہلے کا تھا۔

"مرغابی" ڈرامہ، جو پیٹرسبورگ میں، بعض غیر متعلق وجہوں سے ناکام ہو گیا تھا، اب ماسکو کے نئے، اولوالعزم، اور سنجیدہ "ماسکو آرٹ تھیٹر" کے اسٹیج پر پیش ہوا۔ اس کی کامیابی نے ڈنکے بجا دیے۔ اسی کے ساتھ استانی سلافسکی اور نمیرووچ دانچنکو کے اس تجرباتی ہلکے کارنامے (آرٹ تھیٹر) کی بنیاد بھی مضبوط ہوئی — اور خود چے خف کو اس ڈرامے کی نوعمر ہیروئن میں اپنی برسوں کی تلاش کا مرکز اور ڈھلتی شام میں پہلی اور آخری شریکِ حیات بھی ملی۔

اولگا کینپر (Olga Knipper-)

مگر اس لذیذ حکایت کا سرا تھامنے سے پہلے ان کہانیوں کی اہمیت جتا دینی چاہیے جنھیں آج تک دنیائے افسانہ کے چند بہترین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

چے خف نے تالستائے کا اثر قبول بھی کیا اور اسے رَد بھی کیا۔ (یہ بحث اپنی جگہ آئے گی)، تاہم وہ اس کی عظمت کا قائل اور فلسفے کا منکر رہا۔ ۱۸۹۵ء میں پہلی بار وہ روس کے اس مہاتما قلمکار سے ملنے کے لئے یاسنایا پولیانا (ماسکو سے کوئی ڈھائی سو کلومیٹر) گیا۔ ملا۔ عقیدتمندی ظاہر کی۔ چلا آیا۔ پھر اس ملاقات کی تجدید یالٹا میں ہوئی ، برس بعد۔ اسی درمیان میں تین کہانیاں ایسی نکلیں جن میں چے خف کا روئے سخن تالستائے کی طرف ہے اور اس کے فلسفے پر صاف طنز کا پہلو لیے ہوئے۔

ایک "نو گنوار" /Мужики/ ۔ دیہاتی زندگی کی سادگی، نیکی اور پاکیزگی،

جس کا نقیب تالستائے تھا، جب اپنے رخ سے نقاب سرکائی ہے تو بھوکے بھیڑیے، گھٹیا قسم کے فریب اور تعصبات کے خونی پنجے نظر آتے ہیں۔

" چھکڑا " دوسری کہانی ہے، وہ دیہاتی اسکول کی ایک ایسی استانی کی درد بھری داستان ہے جو ہزار جتن کر کے بھی نہ اپنی مفلسی سے نجات پا سکی، نہ گاؤں کے جہل، ہٹ دھرمی اور تنگ نظری سے۔

"بیر" /Крыжовник/ افسانے کی دھار ان دونوں سے تیز ہے۔ تالستائے کا ایک افسانہ تھا " آدمی کو کیا چاہیے ؟ دو گز زمین " ___ چے خف کے افسانے کا توانا کردار کہتا ہے :

" آدمی کو محض دو گز زمین نہیں چاہیے ___ سارا کرۂ ارض چاہیے۔ سارا عالمِ فطرت چاہیے، جس کی بے کنار پہنائیوں میں وہ اپنی بے قید و زنجیر روح کے تمام جلوے، تمام صفات دکھا سکے "۔

اس نے انہیں دنوں (ڈارون وغیرہ کا مطالعہ کر کے) اپنی نوٹ بک میں لکھا ہے :

" عملی پہلو اور شرط انصاف کی سوجھ بوجھ مجھے بتاتی ہے کہ بجلی اور بھاپ میں حُبِ انسانیت کا کہیں زیادہ امکان ہے۔ عِصمت و عِفت پر اور گوشت خوری سے پرہیز پر زور دینے میں اتنا نہیں ہے "۔

صدی نے اپنی بساط تہہ کی، وقت نے پلٹا کھایا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ۳۵ برس کے فنکار چے خف کی بصیرت ۶۷ برس کے مفکر تالستائے سے کہیں آگے کی خبر لائی تھی۔

# آخری چھ سال

## ڈرامے

کبھی آواز کی لہروں میں ملے دل کو سرور
اور کبھی یوں ہی کسی بات پہ اشکوں کا وفور
کیا خبر جب ہو مری عمر کی ڈھلتی ہوئی شام
عشق دے جائے تبسم کا کوئی آخری جام

پوشکن نے جو ہمیشہ موت سے دست وگریباں رہتا تھا اپنے آخری برسوں میں زندگی کی تمنا کرتے ہوتے ایک نظم یوں تمام کی تھی۔

چے خف کو ملی خود کی پر سکون صبحوں اور زرخیز راتوں میں (جب اس نے اپنے فن پر پختگی کی مہر لگادی) پُرشوق ہجوم کے درمیان رہ کر جس تنہائی کا احساس ہوا ہوگا اس کا اظہار بعض خطوط سے ہوتا ہے۔ لیکن صحت کی خرابی اور مصروفیت کی زیادتی نے تکمیل تمنا پر حدیں بھی لگا رکھی تھیں۔ ۱۸۹۵ء میں سووورین کے نام ایک خط میں (غالباً ان تقاضوں کے جواب میں لکھا جو شادی کرانے پر مُصر تھے) وہ لکھتا ہے:

اچھا چلیے، میں شادی کیے لیتا ہوں، مگر میری کچھ شرطیں ہیں: ہر چیز جس حال میں اب ہے، ویسی ہی رہے۔ مطلب یہ کہ ہونے والی بیوی ماسکو میں اور میں اپنے دیہات میں۔ اس سے ملنے آتا رہوں گا۔ میں خانہ داری کی اُن برکتوں کی تاب نہیں لا سکتا۔ جو ہر روز، صبح سے رات تک جاری رہتی ہیں۔ لاجواب شوہر ثابت ہو کے دکھادوں گا، وعدہ کرتا ہوں، لیکن آپ ایسی بیوی تلاش کر دیجیے جو چاند سی ہو، روزانہ میرے آسمان پر طلوع نہ ہوا کرے.....،

۱۸۹۸ء میں ایک طرف تو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ وہ جنوب کے خشک وگرم علاقوں میں جاکر رہے، دوسرے "مرغابی" (چائکا Чайка / ڈرامے کی زبردست ریہرسل

ماسکو میں چل رہی تھی۔ اس عالمِ برزخ میں چے خف کو حسنِ اتفاق سے وہ اُبھرتا ہوا ستارہ نظر آیا جس نے اگلے چھ سال بجھتا ہوا اُفق روشن رکھا۔ یہ تھی اولگا کنیپر، ماسکو آرٹ تھیٹر کی پہلی کھیپ کی تربیت یافتہ نوخیز ایکٹرس، جس نے "مرغابی" کی ہیروئن کا رول کامیابی سے ادا کر کے سندلی اور دو سال کی جذباتی کشمکش کے بعد چے خف کی بیوی بن گئی۔ بہتر ہے کہ ہم اسی کے بیان کا خلاصہ سُن لیں:

۲۶ر جون ۱۸۹۸ء کو استانی سلافسکی کی فن و ادب سوسائٹی اور نمیروویچ دانچنکو کا فلہارمونی کالج گھُل مل کر ایک نئے قسم کے تھیٹر میں نمودار ہو گئے۔ خزاں کے ساتھ تھیٹر کا موسم شروع ہونے لگا تو ہمیں "مرغابی" تیاری کے لئے دیا گیا۔ خوف، اندیشے، احترام اور محبت کے ساتھ ہم نے کام شروع کیا۔ کچھ ہی عرصہ پہلے بیچاری "مرغابی" پیٹرسبورگ کے ایک اہم تھیٹر میں اپنے پنکھ تڑوا چکی تھی۔ ادھر ہم، نوسیکھیے اداکار، تھیٹر بھی نیا، جس کی پہلے سے کوئی ساکھ نہیں۔ چے خف کی بہن ماریا معلوم کرنے آئیں کہ وہ کون ہمت والے ہیں جو یہ بار اٹھانے چلے ہیں۔ مصنف کو فکر تھی کہ کہیں پھر ناکامی کا سامنا نہ ہو شروع میں تو خود استانی سلافسکی کو اس ڈرامے کی نبض نہیں ملی تھی، دانچنکو نے ان میں چے خف اور اس ڈرامے کی محبت کی لہر دوڑا دی۔ بڑی محنت کی گئی۔ میں نے بھی جی میں ٹھان رکھا تھا کہ چاہے کچھ ہو، تھیٹر کے کام میں اپنی جان ٹپکا دوں گی۔ زندگی کے مقصد، ہماہمی، کیریر اور نئے تھیٹر کے جنم کے اس سنگم پر غیب سے وہ واقعہ ہوا جس نے پورے وجود میں ہلچل مچا دی۔ یہ واقعہ تھا انتون پاولووچ چے خف سے ملاقات۔ بعد کے چھ سال جس چے خف کو میں نے جانا اس کی صحت برابر گرتی گئی اور حوصلہ برابر بڑھتا گیا۔

مجھے ان چھ سال کا خیال آتا ہے تو پریشانی اور بے چینی کی تھرتھراہٹ محسوس ہوتی ہے جیسے مرغابی سمندر پر منڈلا رہی ہو اور سمجھ میں نہ آئے کہ کہاں پنجے ٹکائے باپ سدھارے، میلی خووو بک گیا، ایف مارکس کے ہاتھ تمام حقوق اشاعت فروخت

کردیے گئے ○

یالٹا کے نزدیک زمین کی خریداری، مکان کی تعمیر، فرنیچر، باغیچہ اور ساتھ ہی تھیٹر سے قریبی ربط رکھنے کی خاطر بار بار ماسکو کا سفر، یالٹا میں دم گھٹنے کا احساس؛ پھر ہماری شادی۔ بعد میں جب ڈاکٹروں نے وسطی روس میں سردیاں گزارنے کی اجازت دے دی تو ماسکو سے باہر زمین کی خریداری، شمالی دریاؤں کی طرف سیر و سیاحت کا بڑھتا ہوا شوق، سوئیڈن، ناروے، سوئٹزرلینڈ جانے کی آرزو، اور آخر میں جرمنی کے مقام بیڈن ویلر (BADENWEILER) جانے کا خواب جو پورا ہوا۔ یہ خیال کہ واپسی میں اٹلی کے راستے روس جائیں گے، اٹلی، جس کا حسن، مالا مال زندگی، خاص کر اس کی موسیقی اور پھول دعوت نظارہ دیتے رہتے تھے، یہ تمام بے چینی اور آرزومندی ۱۵ر جولائی ۱۹۰۴ء کو اس کی زندگی کے ساتھ "ICH STERBE" ○○ لفظ پر ختم ہوگئی۔

چیخف نے ادب اور سماج، تہذیب اور فن، شہر اور دیہات میں واقعات یا کرداروں کی بے ربطی پر مسکرانے اور قہقہہ لگا دینے کا جو خاص انداز اختیار

---

○ سووورین سے اختلاف ہوجانے کے بعد پھر اس کے پرچے میں چیخف کی کوئی نئی کہانی نہیں چھپی۔ پیٹرسبورگ کے رسالہ "نیوا" کے پبلشر ایف، مارکس سے ہمیشہ کے لئے حقوق اشاعت کا سودا ہوگیا۔ مول تول کے بعد طے پایا کہ مصنف کو یک مشت ۷۵ ہزار روبل ملیں گے۔ تب تو چیخف اپنی ہوشیار دکانداری پر بہت خوش ہوا لیکن کچھ عرصہ گزرتے ہی اسے اور رقم کی ضرورت پڑی تو پھر مارکس پر دوستوں نے دباؤ ڈالا کہ چیخف کی تحریروں سے جو منافع کمایا ہے اس کا ایک تہائی مصنف کو بھی ملنا چاہئے۔ یعنی ایک تہائی بھی ۷۵ ہزار روبل سے زیادہ تھا۔

○○ ICH STERBE۔ جرمن لفظ "میں چل دیا" (موت کی طرف)

کر رکھا تھا ، وہ انداز تو یاروں کو نصیب نہ ہوا ، البتہ اولگا سے اس کے بڑھتے ہوئے تعلقات ، عمروں کے فرق ، چیخف کی مہلک بیماری اور اولگا کی صحت مند نوجوانی کے پیوند پر اس کے نکتہ چینیوں نے کچھ کم قہقہے نہیں لگائے اور غالباً اُنہیں سے تنگ آکر دونوں نے شادی کا فیصلہ کیا۔

اسی مضمون میں اولگا کنیپر نے تفصیل سے بتایا ہے کہ کس طرح " مرغابی " ڈرامے کی ریہرسل کے زمانے میں چیخف سے ملاقات ہوئی تھی ، پھر ملاقاتیں رہیں۔ چیخف کی بہن اور ماں سے مراسم بڑھ گئے ، پہلے میلی خووو ، پھر یالٹا کے مکان پر قیام ہوا۔ ایک بار سفر میں ساتھ رہا۔ خط وکتابت شروع ہوئی تو چلتی رہی۔ پھر " چچا وانیا " ، " تین بہنیں " ڈراموں کے اسٹیج کیے جانے کی تیاریوں کے سلسلے میں چیخف سے تجدید ملاقات ہوتی رہی۔ تین مہینے وہ ملک سے باہر نیس میں رہا ، آتے ہی پھر مجھے بُلا بھیجا ، میں یالٹا گئی اور مئی ۱۹۰۱ء میں خود چیخف یالٹا سے ماسکو آگیا اور ۲۵ / مئی کو ہم نے شادی کر لی ۔ اس کے بعد ہم روس کے لمبے سفر پر نکل گئے ۔ جب وہ یالٹا واپس چلا گیا تو کبھی میں وہاں چند روز کے لئے جاتی ، کبھی چیخف ماسکو آجاتا۔ نہ اس کی صحت یہاں رہنے کی متحمل تھی ، نہ میں تھیٹر سے رشتہ توڑ کر وہاں مستقل رہ سکتی تھی ۔ آخر ماسکو سے کوئی ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بنگلہ پسند کیا۔ سردیاں یہیں گزاریں ۔ " بیری باغ " ڈرامے کی تیاری پر نظر رکھی ، خاص محفلوں میں شریک رہا ، قہقہے لگائے ، ۳۰ / جنوری ۱۹۰۴ء کو اس کا یہ آخری ڈرامہ بھی اسٹیج پر پیش ہوا ، وہ اس کی سالگرہ کا دن تھا۔ ادیبوں ، فنکاروں اور انجمنوں نے یہ دن دھوم دھام سے منایا ۔ مگر جب تک مجبور کر کے بلایا نہیں گیا ، وہ اس روز کے پریمیئر شو میں بھی نہیں آیا۔ اس روز جشنِ چیخف کے موقع پر اندر ہی اندر کوئی اُداسی رینگ رہی تھی ـــــ جو چند مہینے بعد اس کی موت پر ظاہر ہوئی۔

۱۸۹۹ء میں جب چے خف نے میلی خوووتیج کریالٹا بسایا، وہ رہی سہی تمام تمناؤں پر ہاتھ ڈالنے کے لئے کمر کس چکا تھا۔ اولگا سے شادی کا فیصلہ، جرمنی کا پہلا اور اٹلی کا آخری سفر آئندہ پر اٹھا رکھا تھا، مگر تیاری ہو چکی تھی۔ ڈرامے کا عشق، جو بچپن سے آنکھ مچولی کھیلتا آیا تھا، اب دھائی چھونے کی تاک میں تھا؟ "ایوانوف" اور "مرغابی" جیسے اہم اور مکمل ڈرامے لکھنے کے علاوہ بھی اس نے کئی چھوٹے چھوٹے، طنزیہ، مزاحیہ ایکانکی لکھے جو تفریحی تھیٹر کے تماش بینوں میں کافی مقبول ہوئے ○ مگر وہ محض تمہید تھے ایسے ڈراموں کی جو وسیع مشاہدے، گہرے کرداروں، زندگی کی باریک تفصیلوں اور کٹیلے دھار دار جملوں کی پیشکش میں افسانے یا ناولٹ کی حد سے آگے تک جا سکیں۔

زندگی کے باقی پانچ سال اسی خواب کی تعبیر پر صرف ہوئے۔ اور تعبیر دینے میں ہاتھ تھا روس کے ان دو عظیم الشان اہل کمال کا — استانی سلافسکی اور دانچنکو، جنھوں نے عین اسی وقت روس کی کلاسیکی اور شاہی انداز کے تھیٹری دائرے سے باہر نکل کر، متحدہ کوششوں سے ماسکو آرٹ / Художественный Театр / تھیٹر قائم کیا اور ناکامی کے خطرے مول لے کر چے خف کے نوایجاد ڈرامے کو سینے سے لگا لیا۔ ان کا یہ تجرباتی قدم نہ ہوتا، اولگا جیسی اُمنگیں جگانے والی رفیق سفر نہ ہوتی، یالٹا کی خلوت گاہ نہ ہوتی — تو اب چے خف کی صحت اس قابل نہ رہ گئی تھی کہ پرانی تمناؤں کی تشنگی اور نئے "عقیدے" کی ہماہمی کا بار اُٹھاتے ہوئے زندگی کا سفر جاری رکھ سکتا۔

جس چے خف نے روس میں ہی نہیں، پورے یوروپ میں ڈرامے کی دنیا سے خود کو منوایا، اس کا فن شباب پر اُنھی آخری برسوں میں پہنچا جب قہقہہ

---

○ "رشتہ" (PROPOSAL) "جشن" (JUBILEE) اور "بھالو" (BEER) ایسے ایکانکی اور ظریفانہ ڈرامے ہیں جو اَب بھی کھیلے جاتے ہیں۔

کھانسی میں اور کھانسی خون تھوکنے میں بدل چکی تھی۔

پرنسس بیناتو مانو وانے "سورج سے مشرق اور چاند سے مغرب کی طرف" عنوان دے کر ایک تاثر لکھا ہے، ○

'ادب کی دنیا میں دو فنی شہپارے ایسے ہیں، ہنس اینڈرسن کا THE MARMAID اور بالزاک کا LA PEAU DE CHARGIN' جو ایک ہی خیال پر آکر ٹھہرتے ہیں۔ یعنی — تمنا کی تکمیل غم اور موت سے دوچار کر دیتی ہے۔ موپاساں کے اس ہمسر اور ہم عصر کو بھی فنا اور بقا کی کشمکش میں یہی صورت پیش آئی۔

یالٹا میں نفیس، خوشنما، آرام دہ مکان بن کر ابھی تیار نہ ہوا تھا کہ بعض پبلک اداروں اور ضرورتمندوں کی مالی مدد کرنے میں رقم تھڑ گئی۔ کام اٹک گیا۔ پھر جیسے تیسے انتظام ہوا۔ ایف مارکس کو جو حقوق اشاعت بیچے جا چکے تھے ان میں ڈراموں کی رائلٹی شامل نہ تھی، وہ بھی مصنف کو ملتی گئی اور یالٹا کا بنگلہ، باغ، مہمان خانہ بن کر تیار ہو گیا۔ چیخف کی موجودگی کی خبر پاکر ناول نگار ایوان بونین اور میکسیم گورکی بھی ملنے آئے۔ پھر یہ آمد و رفت مسلسل ہو گئی۔

یالٹا میں چھٹیاں گزارنے والوں کا مشاہدہ کر کے اس نے ۱۸۹۹ء میں ایک بظاہر سادہ سی کہانی لکھی "کتے والی میم" جس میں شادی شدہ مرد اور عورت اتفاقاً باہم آشنا ہو جاتے ہیں۔ چھٹیوں کے دن گزرنے پر حسب معمول ایک دوسرے سے غیروں کی طرح رخصت ہوتے ہیں۔ سمجھے کہ معاملہ رفت و گزشت ہوا۔ لیکن جدائی نے روح کی پیاس بھڑکا دی۔ پھر مختلف حیلوں سے ماسکو شہر کے ایک ہوٹل میں ملنے کی سبیل نکالی۔ یہ سلسلہ بھی چلتا رہا لیکن تسکین نہ پائی۔ دونوں ہر ایک رکاوٹ توڑ کر ایک دوسرے میں پیوست ہونا چاہتے تھے۔

---

○ کتاب مذکور ص ۸۲

"اُنھیں ایسا محسوس ہوتا کہ بس، اب کسی فیصلے پر پہنچنے ہی والے ہیں اور پھر اُس کے بعد ایک نئی دلکش زندگی شروع ہو جائے گی ــــ مگر دونوں نے محسوس کیا کہ اختتام اب بھی دور، بہت دور ہے۔ دشوار ترین اور انتہائی پیچیدہ قصہ تو اَب شروع ہوا ہے۔"

یہ کہانی دل کو لگنے والے، غزل کے ایک شعر کی طرح زبان زد ہوگئی اور آج تک اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

حیرت ہے کہ کئی معاصرین، خصوصاً تالستائے نے اس افسانے کو ناپسند کیا۔ گورکی نے خط لکھا کہ 'یوں تو آپ اپنے قلم سے حقیقت پسندی کو جان سے مار دیں گے۔ لوگوں کا مذاق بگڑا ہوا ہے، وہ حقیقت سے بالاتر کوئی شاندار، چمکدار، زیادہ خوبصورت اور غیر معمولی چیز چاہتے ہیں۔ آپ اپنی چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے بڑا زبردست کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ اِس اونگھتی ہوئی، اَدھ موئی زندگی سے لوگوں میں نفرت جگا رہے ہیں ◯

عمر کے باقی چار سال کے اثنا میں اس کی صرف تین قابلِ ذکر کہانیاں نکلیں۔ "پشتپ"، "وطن" اور "گھاٹی میں" اور وہ بھی صرف اُن وقفوں میں مکمل ہو سکیں، جب ڈرامہ زیرِ غور ہوتا اور ذہن یا قلم اٹکنے لگتا یا کہیں سے فتوح (غیبی آمدنی) نہ آتی اور قلم برداشتہ افسانہ لکھ کر گھر کا خرچ پورا کرنا پڑتا۔ ورنہ ڈرامے کی لگن، ضرورت اور تاثیر کے شدید احساس نے مختصر افسانے کی وقعت کم کر دی تھی۔

گورکی نے ۱۸۹۸ء کے آخر میں چےخف کا ڈرامہ "چچا وانیا" اپنے وطن نیژنی نوو گرڈ ◯◯ میں دیکھا تو وہ ہِل گیا اور بے اختیار یہ خط لکھا،

---

◯ میکسم گورکی۔ کلیات (COLLECTED WORKS) Vol. XXVIII صفحہ ۱۳-۱۱۲ مطبوعہ ماسکو۔

◯◯ اب اس شہر کا نام "گورکی" ہے۔

ابھی کچھ دن ہوئے ، مَیں نے آپ کا (چچا وانیا) /ДЯДЯ ВАНЯ/ دیکھا۔ میں کوئی کمزور دل کا آدمی نہیں ہوں۔ مگر عورتوں کی طرح (تڑپ کر ، رو پڑا۔ غضب کی چیز ہے یہ میرے لئے ۔ ڈرامائی آرٹ میں آپ کا ڈرامہ قطعی طور سے انوکھا نمونہ ہے ۔ڈرامے کے آخری ایکٹ میں ، جب ڈاکٹر دیر تک لب سیے رہنے کے بعد ایک دم افریقہ کی گرمی کا ذکر کر بیٹھتا ہے — تو میں آپ کی ذہانت کے آگے دنگ رہ گیا ، لوگوں کے خیال سے ، اپنے یہاں کی بے رنگ اور محتاجی کی زندگی کی دہشت سے کانپنے لگا۔ ○

چیخف نے اس پر کہیں یہ جواب دے دیا کہ ڈرامہ بہت پہلے کا لکھا ہوا ہے تھیٹر کے لئے لکھنے کو اب میرا جی نہیں چاہتا ۔گورکی نے التجا کی کہ آپ نے اپنے ڈرامے میں اس فن کو نئی راہ دکھائی ہے۔

" دوسرے ڈرامے انسان کو حقیقت سے فلسفیانہ کلیّوں تک نہیں لے جاتے ، آپ کا ڈرامہ ادھر لے جاتا ہے "

" چچا وانیا " جو آٹھ سال پہلے " کاٹھ کا جن " کے نام سے لکھا جا چکا تھا ، ماسکو آرٹ تھیٹر کے لئے دوبارہ چیخف کے رندے سے گزرا ، کردار چھیل کر ، تاثر ہموار کیا گیا ، ۱۸۹۹ء میں جب ماسکو کے اہل نظر نے اس پر اپنی پسند کی مہر لگادی تو گویا چیخف کی مراد بر آئی۔

اس ڈرامے کا اصل ہیرو تو وہی عام ، بے نام سا آدمی ہے جو ۲۵ سال تک اس کی کہانیوں میں کار فرما رہا تھا ، دوسرا ہیرو ایک ڈاکٹر ہے ۔ اس ڈاکٹر آستروف کو ہم چیخف کا ہمزاد بھی کہہ سکتے ہیں ۔ ڈاکٹر دن رات خدمتِ خلق میں لگا رہتا ہے لیکن یہ دیکھ کر افسردہ ہے کہ دوا دارو سے نہ لوگوں کا روگ جاتا ہے، نہ ان کے

---

○ گورکی اور چیخوف ۔تالیف ۔ اکادیمی آف سائنسز ۔ ۱۹۷۲ء اڈیشن ۔ ماسکو۔

مصائب کم ہوتے ہیں۔ وطن کی سر زمین مالا مال ہے ، لوگ راحت کے طلبگار ہیں ، مگر ایک جن یا بھوت ہے بڑھتے ہوئے سرمائے کا ، جس نے زمین میں پنجے گاڑ دیے ہیں اور طبیعتوں میں خود غرضی بھر دی ہے۔ اس کا سامنا کرنے میں ڈاکٹر بے بس و بے کس ہے۔ ڈاکٹر کی زبان سے ادا ہونے والا یہ عام سا جملہ روس میں زبان زد ہو گیا۔

"آدمی کے پاس ہر چیز اعلا درجے کی ہونی چاہیے : چہرہ بھی ، لباس بھی ، روح اور خیالات بھی۔

پہلی بار اس نے اپنا ایک سنجیدہ اور مکمل ڈرامہ ماسکو کے اہم اسٹیج پر کامیاب ہوتے دیکھا اور خوش خوش یالٹا گیا۔ اس بار گرمی کا موسم اولگا کے ساتھ جنوب کے صحت افزا پہاڑی چشموں پر گزرا اور طے کیا کہ ایک ایسا ڈرامہ لکھے گا جس میں اولگا اپنا پورا جوہر دکھا سکے۔

۱۹۰۰ء اس کی زندگی کا ایک اہم سال ہے :

اکادیمی آف سائنسز نے چےخف کو روسی زبان و ادب کی خدمات کے صلے میں اپنا آنریری ممبر چن لیا۔ یالٹا میں بنگلہ ، باغ ایک خاص سلیقے سے بن کر تیار ہو گیا، اس کا نام رکھا گیا (شاید وہائٹ ہاؤس کے طرز پر) سفید بنگلہ۔ ○ سفید بنگلے کے احاطے میں وقت کے مشاہیر ، ادیب ، فنکار ، ڈاکٹر اور بیمار آنے جانے لگے۔ اکادیمی نے پہلی بار تین بڑے اہل قلم کو ممبری دی تھی ○○ لیو تالستائے ، جسے

---

○ اس بنگلے میں بھی چےخف کی کہانیوں کا سا سلیقہ ہے : سادہ ، نفیس ، مختصر ، شائستہ ، قدرتی اور تہذیبی حسن کا سنگم ، مکان کے اندر اور باہر کے منظر میں ہم آہنگی اور یکسوئی کا اہتمام۔ آج تک یہ بنگلہ اپنے مکین کی نشاندہی کرتا ہے۔

○○ بعض ہم عصر کتابوں ، رسالوں میں ۹ مصنفوں کے نام ملتے ہیں جنھیں یہ اعزاز ایک ساتھ ملا۔

عالمی حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور اس کے بعد صرف دس سال جیا۔ کرولینکو جس کی زبان کے چٹخارے لے کر روس کی پے در پے تین نسلوں نے اپنا ادبی ذوق درست کیا، اور انتون چے خف جو تب تک تقریباً تو رواں دواں خاکوں، افسانوں، ایکانکی ڈراموں، مزاحیہ کالموں کے علاوہ ۳۰۰ مشہور افسانے، اور تین بڑے ڈرامے دے چکا تھا۔

یہ تینوں فخر روزگار فی الحال یالٹا میں جمع تھے۔ ان کے علاوہ الیکساندر کوپرن' جس نے فرانس میں رہ کر زیادہ شہرت پائی؛ ایوان بونین، روسی دیہات کا قصیدہ خواں، مصنف، جو انقلاب ۱۹۱۷ء کے بعد باہر جاکر بجھ گیا؛ استانیوکووچ' سمندر کی کہانیاں لکھنے والا، جو چے خف سے ایک سال پہلے زمین کا پیوند ہو گیا؛ مامن سبریاک ناول نگار، جو انقلاب کے بعد بھی اہلِ ذوق میں مقبول ہے۔ یہ اور کئی نوخیز ادیب، نغمہ نگار، مصوّر۔

بیماری کا عذر اِس بار چے خف کے کام آیا۔ ماسکو آرٹ تھیٹر کے لائق سرپرستوں اور فنکاروں نے طے کیا کہ جنوب کا دورہ کریں اور یالٹا میں ٹھہر کر چھٹیاں بھی منالیں اور چے خف کو اس کے دونوں ڈرامے دکھا کر آیندہ ڈرامے لکھنے کا وعدہ بھی لے لیں۔ یہی ہوا۔ یالٹا میں اتنے سارے فنکاروں، دوستوں، قدردانوں اور بڑی بات یہ کہ اولگا کا اپنے تھیٹر سمیت آجانا اس کے تنِ مُردہ میں جان ڈال گیا اور اُن کے جاتے ہی ڈرامہ "تین بہنیں" کا پہلا مسوّدہ پورا کر لیا۔

اس سفر سے تھیٹر کو، جو پہلے سے مقروض تھا، اور زیر بار ہونا پڑا، نتیجہ یہ کہ فنکاروں کے ایک دولتمند مُربّی موروزوف نے بعد میں اسے خرید کر اپنے روپے اور انتظام سے چلانے میں کامیابی حاصل کی۔

گورکی نے ان دنوں کے شاد، بامراد چے خف کا حال تفصیل سے لکھا ہے، لیکن بہتر ہے کہ ہم یہاں ایک اجنبی شخص کا بیان دیں جو فی الوقت یالٹا میں موجود تھا۔ ○

---

○ رابرٹ پین کی کتاب THE IMAGE OF CHEKHOV کے دیباچے سے ماخوذ۔

ایک روسی جو آجکل نیویارک میں رہتا ہے ، یالٹا میں چے خف سے اپنے لڑکپن کی ملاقات یاد کرتا ہے :"چے خف" ہمیشہ ہنسی مذاق کرتا رہتا تھا۔ وہ ایکٹر اور مسخرا تھا۔ بے کمانی کی عینک پونچھ پونچھ کر یوں آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا، ایسے تکتا کہ آپ ہڑ بڑا جاتے۔ روکھے منہ سے بڑی کوئی انہونی کہانی سنا ڈالتا۔ جب وہ چلتا تو ایک ہاتھ موڑ کر کمر کے پیچھے لگا لیتا گویا بہت ضعیف اور نحیف ہے، غمزدہ ہے، پھر اچانک سیدھا ہو کر، سر اٹھا کر قہقہے مارنے لگتا۔ اُن دنوں وہ بہت بیمار تھا، آواز بھرا گئی تھی نقاہت کے مارے۔ مگر سامنا ہوتا تو اس کی بیماری آپ کے ذہن سے اُتر جاتی۔ کیا ایکٹر تھا یہ چے خف بھی! بے کمانی کی عینک سے عجیب و غریب حرکتیں کرنی آتی تھیں۔ عینک کو ایکٹروں کی طرح PROP بنا رکھا تھا۔ بار بار شیشوں کو الٹا سیدھا رگڑے جاتا تھا۔ عینک میں بڑی عمر کا اور عینک کے بغیر اتنا کم عمر نظر آتا تھا گویا ایک نہیں دو مختلف آدمی ہیں۔ اپنے قد و قامت کی بلندی سے جب وہ مجھے دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا کہ اس کی ساری توجہ، ساری چھیڑ چھاڑ اور شفقت مجھی کو عطا ہو رہی ہے۔

یہ ہے سرسری سا خاکہ یالٹا میں چے خف کے اِس دور کا۔ اس خاکے سے کرد لینکو کے بیان کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے (جو ہم پہلے دے آئے ہیں) چال ڈھال میں، لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے دادا پر گیا تھا۔ اور کبھی اس حقیقت کے اظہار میں نہیں شرمایا کہ دادا کمیرے (SERF) تھے، کسی بھلے زمیندار کی رعایا۔

اسی سال "تین بہنیں" کے وقفے میں اس نے ایک شاہکار طویل افسانہ "گھاٹی میں" لکھ کر شائع کرا دیا۔ گھاٹی میں ایک قصبہ ہے۔ قصبے میں مفلوک الحال اور مقروض کسان اور دھوکے دھڑی سے زمین، جائداد اور نقد رقم سمیٹنے والا ایک دوکاندار۔ جو اپنے نکمے اور جعل ساز بیٹے کے لئے نزدیک کے ایک غریب کسان گھر کی بیٹی بیاہ کر لایا ہے۔ اس کم سخن اور دہشت زدہ لڑکی کا ننھا بچہ اس کی جیٹھانی جو

خاندان کے تمام رازوں سے واقف ہے ، جائداد کی جلن میں زندہ جلا ڈالتی ہے۔ گود خالی کر کے ، یہ چھوٹی ، نیک دل بہو پھر اپنے مفلس کنبے میں سر جھکائے چلی جاتی ہے۔ کہانی اس قدر ہے ، لیکن یہ چے خف کی کہانی ہے۔ ہر ایک انتخاب میں شامل کی جاتی ہے کیوں کہ اس میں مصنّف کے لہو کی بوند بوند کھنچ آئی ہے۔ عمر بھر کے ریاض کا حاصل ہے یہ سادہ سی کہانی۔

"گھاٹی میں" کے متعلق ایک نجی خط میں مصنّف نے لکھا،

میں نے اس طویل افسانے میں کارخانے والوں کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہ دکھایا ہے کہ کیسی دکھ بھری زندگی ہوتی ہے وہاں ، اور کل ہی اتفاق سے پتہ چلا کہ رسالہ "ژیزن" (جسے افسانہ بھیجا ہے) مارکسی تحریک والوں کے خیالات کا ترجمان ہے۔ اب کیا ہو ؟

مگر رسالے کو یہ افسانہ ملا تو اشاعت کے لئے بڑی خوشی سے قبول کیا اور ادارے کی طرف سے چے خف کو داد دی :

"کیا بے رحم اور گھناونی راست گوئی ہے ! تاثر کی طرف ہلکا سا اشارہ تک نہیں ، لیکن اس کا اثر زبردست ، دل میں اتر جانے والا اور آہستہ آہستہ بڑھنے والا....."

اس کہانی پر بھی رسائل میں خوب بحث چلی۔ معاصر تنقید نگاروں نے لکھا کہ بے رحم اور گھناونی راست گوئی پر خود مصنّف کے رویے کا پتہ نہیں چلتا۔ جن دنوں اس قسم کی تنقیدیں شائع ہو رہی تھیں ، چے خف بددل تھا۔ آخر گورکی نے سامنے آکر سب کو آڑے ہاتھوں لیا اور لکھا کہ :

چے خف نے زندگی کو تمام وسعتوں کے ساتھ اپنی گرفت میں لے لیا اور یوں اس سے بالاتر ہو گیا (نقطۂ نظر در پردہ سرایت کیے ہوئے ہے) ، اس کی ہر ایک کہانی ایک ہی نہایت قیمتی اور ہمارے لئے کارآمد شے کو بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ یہ شے ہے شگفتگی کی اور زندگی سے پیار کی۔"

اس کے جواب میں کل تسوف نے گوژکی پر حملہ کیا کہ آپ چے خف کی طرف سے جو صفائی دینے چلے ہیں، خود وہ بھی نہ یہ بات کہتے ہیں، نہ اس طرح سوچتے ہیں۔

اس بحث نے چے خف کے یہاں نقطۂ نظر، سماجی برتاؤ، خیر و شر کے درمیان فنکار کے رویّے اور خود حقیقت پسندی کے مسائل پر کافی روشنی ڈالی ○۔

ستمبر کے شروع تک چار ایکٹ کا ڈرامہ "تین بہنیں" لکھ لیا گیا تو، خدا جانے مصنّف کو سخن شناسوں کی طلب ہوئی یا اولگا نے تقاضے کے خط لکھے، ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود چے خف ماسکو چلا آیا جہاں پوری کمپنی کے سامنے ڈرامہ پڑھ کر سنانا تھا۔ سنایا تو کچھ ایکٹروں نے ناک بھوں چڑھائی، کچھ آنکھیں مٹکا کر رہ گئے، ڈرامے کا جو منشا مصنّف کے ذہن میں تھا وہ غارت ہو گیا اور چے خف جیسا برداشت کا آدمی ناراض ہو کر وہاں سے اٹھ آیا۔ خود استانی سلافسکی کی زبانی یہ منظر سُننے کے قابل ہے:

'میں دوڑا ہوا پہنچا، دیکھا کہ چے خف اپنے فلیٹ پر ہے۔ وہیں ہاتھ آ گیا، دیکھتا کیا ہوں کہ بُرے موڈ میں یا رنجیدہ ہی نہیں بلکہ سخت برہم ہے، ایسا تو شاید ہی کبھی ہوتا ہو (بات کھلی تو) پتہ چلا کہ ڈرامہ نگار کو یقین تھا اس بات کا کہ یہ پُر لطف کامیڈی لکھی ہے اور جب پڑھ کر سنایا تو سب نے اس ڈرامہ کو المیہ (یعنی ٹریجیڈی) سمجھا اور سنتے سنتے رونے لگے، چے خف نے اس ڈرامے کا موضوع رکھا تھا۔

"جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا یہ عالمِ پیر مَر رہا ہے"

اور اندازہ یہ تھا کہ "عالمِ پیر" کی موت کتنی بھی دردناک ہی، تاہم جہانِ نو کی پیدائش کا تصور سننے اور دیکھنے والوں پر حاوی رہے گا، یوں آنسو خود بخود تبسّم میں ڈھل جائیں گے، تاثر ہوا اس کے برعکس۔ تینوں بہنوں کا اپنے ماحول، ماضی، وضعداری

---

○ اِس بحث کا ماخذ لینن لائبریری، ماسکو میں مخطوطات کا سیکشن، نسخہ MSS 1951 صفحہ ۵۴۔

اور شرفا کی تہذیب سے بچھڑنا اتنا درد انگیز ہوگیا کہ بعد کی تبدیلی اور اس کے امکانات دب کر رہ گئے۔ چے خف کا اندازہ غلط نکلا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنا نشانہ خطا ہوتے خود ہی دیکھ لیا اور اچھے وقت دیکھ لیا کیوں کہ پہلے دو ایکٹ پر چند روز میں نظرثانی کرڈالی اور باقی دو ایکٹ لے کر ماسکو سے اٹلی چلا گیا۔ وہاں اپنے محبوب نیس شہر کے ایک روسی مہمان خانے میں بیٹھ کر دونوں ایکٹ پھر سے لکھے۔ ان کا تاثر بڑھایا اور نئے طوفان کی آہٹ اس شدت سے سنوائی کہ غم و افسوس کے بادل چھٹ گئے۔

یہ ڈرامہ پہلے ماسکو میں (جنوری ۱۹۰۱ء) پھر اسی سال پیٹرسبورگ کے شائقین سے کھچا کھچ بھرے ہالوں میں دکھایا گیا۔ دونوں جگہ کامیاب رہا۔ ○

عجب نہیں کہ طوفان کی آمد اور طوفان کے نقیب پرندے کی بے تابی کا خیال گورکی نے یہیں سے لے کر اپنا مشہور نثر پارہ لکھا ہو جو آزاد نظموں پر بھاری ہے۔ ○○

مگر ابھی زندگی کے ایک اہم ڈرامے کا آخری ایکٹ باقی تھا، طویل کشمکش کے بعد (کیوں کہ چے خف ہچکچا رہا تھا اور اس کی پرانی وضع کی ماں اور بہن بھی اس نئی فیشن ایبل لڑکی کو سب کچھ سونپتے گھبراتی تھیں) بالآخر چے خف چپ چاپ ماسکو آگیا، گھر والوں کو خبر کیے بغیر یہ شادی انجام پا گئی۔

انتون اپنی کم عمر دلھن کو لیے ہوئے، ڈاکٹری مشورے کے مطابق ایشیائی علاقے کی سمت ؛ ذفا چلا گیا (جو کبھی تاتاریوں کا، اور بعد میں بشکیر کسانوں کی بغاوت کا مرکز رہ

---

○ "بہتوں کو احساس ہے کہ آج تک کا سب کیا کرایا اور سمیٹا ہوا اکارت گیا، مگر زندگی —— کہ وہ اکارت نہیں جاتی۔ وقت آ رہا ہے جب یہ کارخانہ بھی تلپٹ ہو جائے گا۔ ایک زبردست طوفان ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا اور زندگی پھر سر اٹھائیگی نئے سرے سے۔"

○○ یہ منظوم سا نثر پارہ اپنی خصوصیات اور آوازوں کے ساتھ "روس کی بہترین کہانیاں" جلد دوم (اردو) میں شامل ہے۔

چکا تھا) یہاں اس نے غذا اور دوا کو ایک کر لیا۔ گھوڑی کا دودھ (کومس) پیتا رہا جس سے افاقہ بھی محسوس ہوا۔ طبیعت بشاش رہنے لگی، لیکن جیسا کہ اولگا نے چند ہفتے میں پالیا کہ یہ طبیعت کسی ایک حال پر مطمئن رہنے والی نہیں۔ مزیدار بات یہ کہ سال بھر بعد جب چے خف نے اپنی مشہور اور بالکل آخری کہانی 'دُلھن' /Невеста/ لکھی تو وہاں بھی شاندار مستقبل کی خبر دینے والا نوجوان ساشا، جو تپ دق کا بیمار ہے، والگا کی سیر کے لئے نکلتا ہے اور بہت سا کومس پی کر اپنا علاج کرنے کا دعویدار ہے مگر افاقے کے بعد اگلے سفر میں دنیا سے سدھار جاتا ہے۔

چے خف جب افسانے میں نہیں، حقیقت میں دُلھن کو لے کر اُوفا آیا کومس پیا، اور افاقہ دیکھا تبھی شاید یہ کہانی سوجھی ہوگی اور ساشا جیسے بے پروا، نیم باغی، ذہین نوجوان کے انجام میں اپنے انجام کی پیش گوئی کر دی ہوگی۔

دولھا دلھن اپنے گھر یالٹا آ گئے۔ تھیٹر کا موسم سر پر آیا تو چے خف کے مشورے سے اولگا ریہرسلوں کے لئے ماسکو چلی گئی۔ اس بار چے خف اس کے بغیر نہ رہ سکا اور تھیٹر کے دونوں ڈائرکٹروں اور فنکاروں سے تبادلہ خیال کرنے، نئے سرے سے ریہرسل پر نظر رکھنے کے بہانے خود بھی چلا آیا۔ استانی سلافسکی نے خود نوشت سوانح عمری "آرٹ میں میرا پیشہ" میں اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔ بحثیں گھنٹوں چلتی تھیں: کاسٹ، منظر، پوشاک، اشارے، حرکات و سکنات، غرض ایک ایک تفصیل میں چے خف نے مین میخ نکالی۔ مگر جب ان اختلافات سے گزر کر مصنف نے "تین بہنیں" پر آخری نظر ڈال لی اور یہ ڈرامہ منجھ کر ۲۱ ستمبر ۱۹۰۱ء کو رنگ منچ پر آیا تو ایسی شاندار کامیابی کا سہرا بندھا جو اس سے پہلے میسر نہ آئی تھی۔

اسی سال لیو تالستائے پھیپھڑوں کے وَرم کی شکایت لیے ہوئے یالٹا کے نزدیک گیسپرا میں مقیم ہوئے۔ چے خف کئی برس پہلے ماسکو سے دور اُن کے مکان پر جا کر مل چکا تھا۔ اس بار وہ نوجوان گورکی کے ہمراہ تالستائے سے ملنے گیا اور دونوں

ایک دوسرے کو ذاتی طور سے اتنے پسند آئے کہ چیخف ان کے خیالات سے بنیادی اختلاف رکھنے اور اپنے بعض افسانوں اور ڈراموں پر اُن کی ناپسندیدگی سے باخبر ہونے کے باوجود بار بار جاتا رہا۔ گورکی کا بیان ہے کہ تالستائے بڑے پیار سے چیخف کی صورت دیکھا کرتے تھے۔

" ایک بار انتون پاولووچ پارک کی پگڈنڈی پر چل رہے تھے ــــــ تالستائے ان دنوں بیماری سے اٹھے نہیں تھے، چبوترے پر آرام کرسی میں دھنسے بیٹھے تھے، وہیں سے انتون پاولووچ کے ہر قدم کا نظروں سے ساتھ دیتے ہوئے دبی آواز میں بولے، اُفوہ، کس قدر پیارا، لاجواب آدمی ہے یہ! بااخلاق، انکسار پسند، خاموش طبع، بالکل نواب آدمی ہے اور دیکھو، چلتا بھی ہے نوجوانوں کی طرح ـــــــ کمال کا شخص ہے!"

۱۹۰۲ء کا سال خاموشی، آرام اور غور و فکر میں گزرا۔ دو کہانیاں "بشپ" اور "دلھن" شائع ہوئیں۔ "دلھن" میں پادری کے کاہل بیٹے سے بیاہی جانے والی ایک امیر زادی اپنی جاگیر کے ناکارہ ماحول سے اُکتا کر شادی سے صرف ہفتہ بھر پہلے چپکے سے کھسک جاتی ہے اور پیٹرسبورگ کے کسی تعلیمی ادارے میں پہنچ کر نئے خیالات اور نئی زندگی کا درس لیتی ہے۔ زندگی کے تمام فرسودہ ڈھانچے میں فرق آگیا۔ بیمار، نزار ساشا کے تلخ الفاظ اس کے وجود میں گھل گئے جو کہتا تھا:

روشن خیال اور بے نیاز لوگ ہی دلچسپ ہوتے ہیں اور صرف انہیں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں جتنا اضافہ ہوگا، روئے زمین پر حکومت الٰہی اسی قدر جلد قائم ہوگی۔ اس وقت اینٹ سے اینٹ بج جائے گی، تمہارے اس قصبے میں ہر چیز اُلٹ جائے گی۔ ہر چیز بدل جائے گی.....

میں کہتا ہوں، تم یہاں سے چلی جاؤ۔ ان سب کو بتا دو کہ اس جامد، بے کیف، ناقص زندگی سے اُکتا چکی ہو.....

چیخف کی یہ کہانی نازک بھی ہے نہایت سادہ بھی، مصنف نے لکھا بھی ہفتوں میں اور

بار بار کی کاٹ چھانٹ سے مکمل کیا۔ انقلابی باتیں کرنے والے نوجوان کا کردار البتہ کمزور ہے۔ وہ دوسروں میں جینے کی اُمنگ جگا سکتا ہے مگر زندگی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ عمل کے میدان میں، اس کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔

اس سال ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے چےخف کی زندگی کے ایک درپردہ پہلو کو عالم آشکار کر دیا۔ فروری ۱۹۰۲ء میں میکسم گورکی کو بھی اکادیمی آف سائنسز نے اعزازی ممبر چنا، ابھی فیصلے کا اعلان نہ ہوا تھا کہ بادشاہ سلامت نکولائی دوم نے اس فیصلے کو منسوخ کرنے کا حکم دیا۔ اکادیمی کے صدر نے بدحواسی میں یہ خبر شائع کرا دی کہ اکادیمی ممبر کے چناؤ کی اطلاع بے بنیاد ہے۔ آزاد خیال ممبروں کو یہ حرکت ناگوار گزری اور سب تو دم سادھ گئے۔ چےخف اور کرولینکو نے احتجاج کے طور پر استعفا دے دیا۔ استعفا قبول کر لیا گیا۔

۱۹۰۳ء میں جب وہ "دلھن" میں ہونے والی ایک دلھن سے فرسودہ ماحول کو استعفا دلوا چکا تھا، عین انھی دنوں اور تقریباً اسی نیت اور منشا سے اپنی زندگی کا آخری کارنامہ "بیری باغ" /Вишневый сад/ ڈرامہ لکھ کر چےخف نے اپنے سماجی اور فنکارانہ شعور کی آخری منزل پر جھنڈا گاڑ دیا۔

"بیری باغ" سالہا سال کی رکھوالی اور خدمت تہذیب اور فن اور خاندانی جذبات کی زندہ علامت ایک بڑھتے ہوئے زندہ اور توانا سرمایہ دار لیاخین کے ہاتھ بک جاتا ہے، وہ پھاوڑا چلا کر کھڑے درخت گراتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ یہاں نئی زندگی کا سروسامان کیا جائے۔

سروسامان اور بے رحمی —— قدیم ورثے کی بربادی مگر نئی تعمیر کی خاطر —— مستقبل اب دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔

جذباتی مگر صاحبِ نظر آنیا، جسے اب پُرکھوں کا یہ بنگلہ اور باغ چھوڑ کر کھوکھلی، بے مصرف زندگی کے سیج سے اُتر کر تپتی ہوئی شاہراہ پر اپنی منزل تلاش کرنی ہے،

پکار کر کہتی ہے۔

"ہم نیا باغ لگائیں گے ، اس سے بڑھ کر باغ و بہار"

ڈرامے کا صاحبِ عزم اور اہم کردار ترو فیموف پکارتا ہے

' سارا روس ہمارا باغ ہے ...... مجھے شادمانی کی آمد محسوس ہوتی ہے ......
آنیا ...... مجھے مرادوں کی گھڑی آتی دکھائی دیتی ہے ........ وہ دیکھو ، وہ ......
آئی ، قدم بڑھاتی نزدیک آپہنچی ...... اس کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوں ؛
آنیا کے آخری الفاظ گونجتے ہیں ...... ' نئی زندگی ، زندہ باد ! "

یہ سادہ سے بظاہر بے رنگ جملے ڈرامے کے ایسے کلائمکس پر ادا ہوئے ہیں کہ دل سینوں میں ہل جاتے ہیں اور ڈرامے کے شروع کی دل گرفتہ فضا یوں گھل جاتی ہے جیسے حبس کے بعد کھلا آسمان اور خنک ہوا۔

چے خف نے ڈرامہ ہی لکھ کر نہیں بھیجا ، اس کی خبر گیری بھی کی ، ہدایات بھی دیں ، جب اسے تھیٹر کی طرف سے مبارکباد کا تار ملا تب بھی اس کی تسکین نہ ہوئی ، اس نے ڈرامے کا پیچھا کیا اور ریہرسل کے آخری مرحلوں پر ، دسمبر کی سخت سردیوں میں خود بھی ماسکو آپہنچا ۔ اس کے دل کو لگی ہوئی تھی کہ کہیں میری کامیڈی کو یہ لوگ ٹریجیڈی کا حُلیہ نہ دے دیں ۔ پھر بحثیں چھڑ گئیں اور استانی سلافسکی اور دنچنکو نے غالباً چے خف کی خوشنودی کی خاطر چپکے سے طے کر دیا کہ ۱۷ جنوری کو ، جو مصنف کی ۴۴ ویں سالگرہ کا دن ہے اور ۲۵ سال کی قلمی کاوشوں کا دور پورا ہوتا ہے ، "بیری باغ" کا پریمیئر شو ہوگا ۔ اہلِ قلم ، مصوّر ، فنکار ، سب مل کر یہ دن منائیں گے :

' جب سے ہم چے خف کے ڈرامے پیش کر رہے تھے ، یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے ڈرامے کا پریمیئر ایسے وقت ہونے والا تھا جب وہ خود ماسکو میں موجود ہو ۔ ہمیں سوجھی کہ موقع غنیمت ہے ، اپنے " محبوب شاعر " کے جشن کا اہتمام کر ڈالیں ۔ چے خف نے بہت ہاتھ پاؤں مارے ۔ دھمکی دی کہ گھر میں بیٹھ رہے گا ، تھیٹر آئے گا ہی نہیں ۔ تمام ضدوں پر ہماری ضد غالب آگئی ۔ بمشکل ایک تحفہ ہم لوگ

اُڑا لائے جو میوزیم میں رکھنے قابل تھا۔ سوچا، جب اور کچھ نہیں ملتا تو یہی نذر کر دیں گے۔

" سنیئے، آپ تو بڑی لاجواب چیزیں لے آئے، اسے کسی میوزیم میں ہونا چاہیئے"

" تو بتائیے، ہم اور کیا لاتے ؟"

" چوہے دان لاتے۔ آخر چوہے مارنا بھی تو ضروری ہے"۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔ اور زور سے ہنس پڑا۔

" دیکھئے مصور گمرودین نے کیا لاجواب تحفہ بھیجا ہے مجھے ـــــ بس لاجواب !"

" وہ کیا ؟" میں نے اشتیاق کے مارے پوچھ لیا۔

" مچھلی پکڑنے کی بنسی"

جتنے تحفے آئے تھے ان سے وہ کچھ خوش نہیں ہوا۔ بلکہ بعضوں کے تحفے ایسے بے ڈھنگے تھے کہ اسے ناگوار گزرا۔

" سنیئے، کسی ادیب کو چاندی کا قلم اور قدیم دوات تحفے میں نہیں دینی چاہیے"

" تو پھر کیا دیا جائے ؟"

" اِنیما لینے کی نلکی ـــــ میں تو ڈاکٹر ہوں، سنتے ہیں آپ ؟ یا پھر موزے ہوں۔ بیوی تو میری فکر کرتی نہیں، ایکٹرس جو ٹھہری۔ میں پھٹے موزوں میں گھومتا پھرتا ہوں۔ اس سے کہتا ہوں: سُن بھئی، داہنے پاؤں کے موزے میں سے انگلی نکلی پڑتی ہے' وہ کہتی ہے: ' تو کیا ہو گیا، اسے بائیں پاؤں میں ڈال لو ـــــ بھلا بتاؤ، یہ کیسے کروں ؟

یہ کہا اور ایسا ہنسا کہ پیٹ میں بَل پڑ گئے۔

جشن منایا گیا ۱۷ جنوری ۱۹۰۴ء کو، اور زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ماسکو سے یالٹا واپسی پر چیخف کی حالت بگڑنے لگی۔ اسی حالت میں خبر پھیلی کہ مشرق میں روس و جاپان کی جنگ چھڑ گئی ہے۔ چیخف نے درخواست بھیجی کہ بحیثیت ڈاکٹر اس کی خدمات حاضر ہیں۔ اور یالٹا سے ماسکو روانہ ہو گیا۔ بدن میں کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہ تھی۔

خاندانی نام سے قیاس ہوتا ہے کہ اولگا کے آباؤ اجداد جرمن رہے ہوں گے۔
اولگانے شوہر کے لئے اپنا جرمن ڈاکٹر بلایا۔ اس نے روسی معالجوں سے مشورہ کیے بغیر حکم صادر کر دیا کہ انھیں برلن لے جاکر کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھایا جائے (آج تک روسی تذکرہ نگاروں کو جرمنوں کے نادرشاہی حکم سے شکایت چلی آتی ہے) آخر میاں بیوی بڑی احتیاط اور اہتمام سے روانہ ہوتے۔ جرمنی کے سفر کے خیال سے چے خف کے منھ میں پانی بھر آیا۔ سفری خطوط میں شگفتگی دیکھئے تو اس کی صحت کا نہیں، فطرت کا ثبوت ملتا ہے۔ ۶ سے ۸ جون تک برلن میں ٹھہرا اور ۱۰ جون ۱۹۰۴ء کو بیڈن ویلر پہنچا۔ یہاں کے شفابخش چشمے کے نزدیک ایک بنگلے "ولا فریڈرک" میں قیام ہوا۔ ذرہ ظہور حالت سنبھلی تھی کہ اس نے ٹریسٹ اور اودیسہ کے راستے خشکی اور تری کا سفر کر کے یالٹا پہنچنے کا پلان بنا ڈالا، ایسے وقت میں، جب اپنے پرائے سبھی اس کی زندگی سے مایوس تھے، اٹھنا، بیٹھنا، مشکل تھا، وہ ہر ایک منظر سے، جرمن عورتوں کے "بے ڈھنگے لباس" سے اور ڈاکٹروں کے طور طریق سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھبتیاں کستا بھی رہا، خطوں میں لکھتا اور لکھواتا بھی رہا۔

ذاتی نوٹ بک میں درج ہے کہ اپنی جائے پیدائش تگان روگ کی میونسپل لائبریری کو اپنے حساب میں کتابوں کا پارسل بھجوایا۔

جرمنی میں روسی اخبار کے نامہ نگار، گ، ب یوس /ИОЛЛОС/ نے ۴ جولائی کو یہ اطلاع بھیجی کہ:

یہاں بیڈن ویلر پہنچنے کے بعد شروع کے چند روز اس کی طبیعت شگفتہ رہی۔ اپنے آئندہ کے منصوبوں کی باتیں کرنے لگا، اطالیہ کے سفر کے خواب دیکھنے لگا۔ سوچا کہ یہاں سے قسطنطنیہ ہوتے ہوئے یالٹا جائیں گے، بھوک کچھ کھلی، نیند آنے لگی۔

۱۲ جون کو، یعنی آنکھ بند کرنے سے ایک مہینہ پہلے ایک دوست کورگن کو اطلاع

دی ،

ٹانگوں میں بالکل درد نہیں رہا۔ نیند بھی آتی ہے ۔ مزا آگیا ۔بس ذرا سانس کی تکلیف ہے .... صحت بحال ہو رہی ہے ۔ماشے تولے نہیں ، بلکہ سیروں کے حساب سے ..... ایک اچھا ڈاکٹر میرا علاج کر رہا ہے ۔عقلمند اور سمجھدار آدمی ہے ۔ ہمارے ماسکو کی ایک عورت ژوا گو سے ہی اس کی شادی ہوئی ہے ...."

۱۲ر جون کو اس نے اپنی بہن ماشا کو خط لکھا :

"میرا معاملہ کچھ یونہی سا ہے ۔بس یہ کہ بیڈن وئیلر سے جی اُکتا گیا ۔یہاں جرمنوں کی خاموشی اور قاعدے قانون کی سخت پابندی بے انتہا کھل رہی ہے ماسکو کے علاج اور یہاں کے علاج میں فرق بھی کوئی خاص نہیں ۔ وہی احمقانہ کوکو ، وہی موٹھ کا دلیا ......

ولا فریڈرک والے بنگلے کی تنہائی اور بے لطفی سے اُٹھ کر ہوٹل سومر (SOMMER) میں رہنے چلا آیا اور خوش ہوا کہ کم از کم لوگوں کی آمد ورفت تو نظر آتی ہے ۔

جون کے آخر میں دو بار دل کا دورہ پڑا ۔ ہوش آیا تو بینک کو ہدایت لکھی کہ اکاؤنٹ بیوی کے نام کر دیا جائے ۔

پہلی اور دوسری جولائی ( موجودہ کیلنڈر سے ۱۴ر اور ۱۵ر جولائی ) کی درمیانی شام کو سانس اٹکنے لگا ۔ اس وقت کا حال خود والگا کنیپر چیخو وا نے لکھا ہے :

مرنے سے چند گھنٹے پہلے بھی اس نے مجھے ہنسا کر چھوڑا ۔ اسے ایک کہانی سوجھ گئی ۔ تین چار دن سخت اذیت سہنے کے بعد شام ہوتے جب ذرا سنبھالا لیا تو مجھ سے کہا کہ اتنے دن سے بندھی بیٹھی ہو ، پارک میں ٹہل آؤ ۔ میں واپس آئی تو فکر کرنے لگا کہ شام کا کھانا کھانے کیوں نہیں گئی ۔ میں نے کہا ابھی کھانے کا گھنٹہ ( گانگ ) نہیں بجا ۔ اتفاق سے گانگ بج چکا تھا ؛

ہم نے نہیں سنا ۔ اتنے میں اس نے کہانی گڑھ لی :

اعلادرجے کی ایک سیرگاہ جہاں لوگ صحت بنانے آتے ہیں۔ پیٹ بھرے، چربی چڑھے بینکر، مہاجن، موٹے تازے لوگ، جنہیں کھانے کا شوق ہوتا ہے۔ لال گالوں والے انگریز اور امریکن۔ شام ہوتے سب واپس آتے ہیں، کوئی سیر سے، کوئی سواری سے، کوئی پیدل، خوب گھوم پھر کر، غرض یہ کہ دن بھر کی جسمانی تھکن کے بعد سب کو جی بھر کے، بہت سا عمدہ کھانا کھانے کی فکر پڑی ہے۔ اتنے میں پتہ چلا کہ باورچی بھاگ گیا۔ کھانا ہی نہیں۔ یہ ناز پروردہ لوگ اس صدمے کی تاب کیسے لائیں!۔ غور کا مقام ہے۔

میں صوفے پر بیٹھی تھی، سنا اور خوب ہنسی۔ گمان بھی نہیں تھا کہ کوئی یہ سمجھ جاتا ہے، یہیں اس کی میت کے سامنے کھڑی ہوں گی ......،

یرمی لوف نے اپنی سوانح والی کتاب میں لکھا ہے کہ آخری رات بھی وہ ڈاکٹر سے مسکرا کر بات کرتا رہا۔ شمپین کا گلاس طلب کیا کہ بیوی کے ساتھ شمپین پینے کو جی چاہتا ہے اور ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلبِ اوست (اقبال)

چے خف کی لاش مال گاڑی کے ایک ڈبے میں رکھ کر ماسکو لائی گئی۔ راستے بھر اسٹیشنوں پر چے خف کے عام پرستار پھول لیے آتے گئے اور انہیں کچھ پتہ نہ چلا کہ لاش کہاں ہے۔

ماسکو میں اس کے آخری دیدار کی آرزو لیے، جو لوگ اسٹیشن پر آئے، ان میں میکسم گورکی بھی تھا، اس نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

"اس ادیب کا تابوت، جسے ماسکو جی جان سے پیار کرتا تھا، ہرے رنگ کی ایک ویگن میں پہنچا، جس کے دروازے پر جلی حروف میں لکھا تھا "OYSTER" لاش لے جانے لگے تو وہ چھوٹا سا منتظر مجمع ایک تابوت کے پیچھے پیچھے چلنے

لگا۔ اس میں جنرل کیلر کی لاش تھی جو ابھی ابھی منچوریا سے پہنچی تھی ○ چلنے والوں کو تعجب ہوا کہ چے خف کو فوجی باجے کے ساتھ قبرستان کیوں لے جا رہے ہیں۔ بعد میں غلطی کا پتہ چلا تو زندہ دلوں نے کھسر پھسر شروع کر دی اور منھ پر رومال رکھ کر ہنسنے لگے۔ چے خف کے تابوت کے ساتھ سَو سے زیادہ آدمی نہیں تھے، ان میں دو وکیل میری یادداشت میں آج تک اُبھرتے ہیں جو نئے بوٹ اور شوخ رنگ ٹائیاں لگاتے، دولھا بنے چلے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کتے کی عقلمندی پر اور دوسرا اس پر باتیں کر رہا تھا کہ گرمیوں میں جو بنگلہ میں نے لیا، بڑا آرام دہ اور پُر فضا نکلا۔ کوئی خاتون ارغوانی رنگ کے لباس میں، جالی دار نقاب سامنے کھینچے ایک بزرگوار کو، جنھوں نے سینگ کا چشمہ لگا رکھا تھا، یہ جتا رہی تھیں!

واہ، کیا عمدہ اور بذلہ سنج انسان تھا یہ!

.... ماتمی جلوس کے آگے ایک تنومند پولیس والا سفید تنومند گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا۔"

انتون پاولووچ چے خف، جو زندگی بھر حسن و مسرت کی تلاش کرتا رہا، جو سلیقے اور نفاست کا رسیا تھا، جو تمام عمر پھوہڑپن اور بے تُکے پن پر کبھی زیرِ لب، کبھی باوازِ بلند قہقہے لگاتا رہا، جو موت کے ہولناک مذاق پر پھبتیاں کستا رہا، نجانے یہ موت نے آخری پھبتی کسی اس کی لاش پر ــــ یا پھر وہ آنکھ بند کرنے کے بعد بھی اپنی پسند کی دردناک، مضحکہ خیز کہانی چھوڑ گیا، جس کا عنوان ہوگا OYSTER یا "میرا تابوت"؟

---

○ یہ مشہور فوجی کمانڈر جنگ روس و جاپان ۵-۱۹۰۴ء میں مارا گیا تھا اور اس کی لاش بڑے احترام سے گیارھویں دن ماسکو لائی گئی تھی۔

## باب سوم

# چے خف کا فن

بے پناہ شہرت اور مقبولیت کے اس جوانا مرگ ادیب نے ، جو جیتے جی افسانہ بن
چکا تھا اور اپنے تذکرے یا تعریف سے شرمایا کرتا تھا ، نہ تو خود سوانح حیات لکھی ، نہ
لکھنے دی ۔ غالباً اسے یہ خیال رہا ہوگا کہ جسم ، ذہن اور ماحول کی ایک ایک حرکت و
سکون اس کی تحریروں کے افسانوی یا ڈرامائی کرداروں میں پوشیدہ ہے اور اپنے
قدر دانوں کے سامنے برابر نقاب سرکاتی رہے گی ۔

" حقیقت یہ ہے کہ اس نے خود کو اپنی اکثر کہانیوں میں چھپا رکھا ہے ۔ بہت سے
افسانوں میں بذاتِ خود وہ حیرت انگیز طور پر موجود ہے ۔ غالباً اس لئے بھی زیادہ
موجود ہے کہ غائب ہو جانے پر تُلا ہوا تھا " ⃝

خود ڈاکٹری تعلیم پائی ، ڈاکٹری پیشہ اختیار کیا تو فن پاروں میں جا بجا ڈاکٹر اور بیمار ملتے ہیں ،
ان میں نیک طینت ڈاکٹر بھی ہیں ( جیسے " وارڈ نمبر ۶ " ) جنھوں نے قدرتی سائنس کو سماجی
فلسفے کی نظر سے دیکھا اور اس پیشے کے بدطینتوں سے مار کھا گئے ، یہاں تک کہ پاگل
خانے پہنچا دیے گئے ۔ طبّی سائنس کے عالِم بھی ملتے ہیں ( جیسے " بے لطف کہانی " )
کہ شہرت و عزت کے بلند مقام پر پہنچنے کے بعد ؛

---

⃝ XXII VINTAGE BOOK_ROBERT. PAYNE. LIBRARY. N.Y. 1966.

یہ ہی جانا کہ کچھ نہ جانا ، ہائے !
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

علم کے دعووں پر سے اُن کا اعتبار اُٹھ چکا ہے ۔ معمولی پریکٹس کرنے والے بھی (جیسے "دشمن") اور اونچی دوکان والے بھی جنھیں بینک میں اپنی رقم اور سماج میں اپنا مرتبہ جذباتی کمزوری سے کہیں زیادہ عزیز ہوتا ہے (جیسے "لیونچ") اور ایسے ڈاکٹر بھی جو سائنسی تحقیق اور خدمتِ خلق میں یوں مگن ہیں کہ خود اپنے زخموں پر مرہم نہیں رکھنے پاتے (جیسے "بھونرا") مصنف کی نظر میں ان کا مقام باتونی فنکاروں سے کہیں برتر اور قابلِ احترام ہے ۔

" سچ بات یہ کہ روز روز کے ڈاکٹری دوروں اور عدالت میں اکسپرٹ کی حیثیت سے بیانات دینے میں ذہن پر جو نقش بیٹھ گئے وہ آگے چل کر ایسی کہانیوں میں کام آئے جن کا فنی معیار بلند ہے ، مثلاً " سرجری "، " مُردہ جسم "، " مفرور" وغیرہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان برسوں میں (۱۸۹۰ء سے پہلے) دونوں پیشوں میں سے ڈاکٹری کی طرف اس کا میلان زیادہ تھا " ○

روس کے بیماروں ، بیماریوں اور ڈاکٹروں کی سچی تصویر کھینچنے والا یہ ادیب ، جو بظاہر موجودہ ہندستان کا مصوّر معلوم ہوتا ہے ، بالآخر دِق کے موذی مرض میں گرفتار ہوتا ہے ۔ اس کی اہم کہانیوں میں بھی سِل اور دق کے مریضوں کی لائن لگی ہوئی ہے ۔ ○○

" روز مرہ زندگی کے کچوکے زندگی کے انجانے درد میں بدل جاتے ہیں ۔

(نوٹ) دل چسپ بات ہے کہ مدقوق اور نڈھال لوگ چیخف کی اکثر کہانیوں میں نظر آتے ہیں : " جاتی بہار کے پھول "، " ایوانوف "، " دُلھن "، " گوسئیف "، " ادبیات کا استاد "، " انجان آدمی کی کہانی " " سیاہ راہب " اور " معالج " تو قریب

---

○ VODOVOZOV - صـ ۱۱۵ (روسی لکچر دینے کے لئے)

○○ PRINCESS N-A-TOUMANOVA لندن ۱۹۳۷ - صـ ۵۴

قریب ہر کہانی میں مل جاتا ہے ــــــ"

چے خف نے ۲۰ برس کی عمر میں پہلی بار بڑا شہر ماسکو دیکھا، پانچ برس بعد راجدھانی پیٹیر سبورگ کا سفر کیا اور ابھی ۳۵ سال کا نہ ہوا تھا کہ یوروپ اور ایشیا کا چکر لگا لیا۔ تاہم اس کا دل چھوٹے شہروں، قصبوں اور کشادہ بستیوں میں اٹکا رہا۔ تصانیف میں بھی چھوٹے شہروں کے مناظر ہی اُبھرتے ہیں: ○

" براہ راست نہیں بلکہ ایک فنکار کے تخلیقی ذہن سے چھَن کر اسی زندگی کے اور مقامی لوگوں کے طور طریق، وضع قطع اس کی بہت سی کہانیوں اور زبردست ڈراموں میں نظر آتے ہیں۔ ماسکو اور پیٹیر سبورگ تو محض اتفاق سے، وہ بھی پختہ عمر کی کہانیوں میں آ گئے، ورنہ جہاں تک ڈراموں کا تعلق ہے، "مرغابی" "ماموں وانیا" "تین بہنیں" اور " بیری باغ " ہمیں کسی شہر میں یا اس کے گرد و نواح میں بھی نہیں لے جاتے۔"

اس نے اپنے روزمرہ کے ماحول سے، یادداشتوں سے، اپنے پیشے اور ملاقاتیوں میں سے، اور اُن ہزارہا کرداروں میں سے اپنی کہانیوں کے لئے کچا مال مسالہ اُٹھایا، جس کے ہر پہلو پر گہری نظر ڈال چکا تھا۔ زبان پر قدرت حاصل کرنے میں اخباروں کے ان سینکڑوں کالموں نے بھی مشق کرائی جو نوجوانی میں، اور بعد میں بھی روپے کی ضرورت یا طبیعت کی چُہل سے مجبور ہو کر سیاہ کیے تھے۔ چے خَف کو اصرار تھا کہ لکھنے والے کو پست و بلند، دونوں سطحوں کی زبان پر زبردست قدرت ہونی چاہیے، اور یہ شرط خود اس حد تک پوری کی کہ: ○○

"مستقبل میں ادب کا مورخ روسی زبان کی نشو و نما بتاتے ہوئے، کہے گا کہ یہ زبان تین آدمیوں نے بنائی۔ پوشکن، تورگنیف اور چے خَف نے۔"

چے خَف نے اپنے قصبے تگان روگ میں، یونانیوں کے اسکول میں، گندی گلیوں میں،

---

○ INTERNATIONAL PROFILE – J.B.PR. ۱۹۷۰ صہ ۱۳

○○ خط و کتابت اور مضامین GOSLIFIZDAT – M. GORKY ماسکو ۱۹۵۱

باپ کی میلی کچیلی دوکان میں، گھر کی شکستہ حالت میں، گرجا گھر کے کٹھ ملاؤں میں، خستہ حال ہسپتال کے عطائیوں میں، ان پڑھ اور بد دماغ سرکاری اہلکاروں میں رینگتی، اچھلتی، بسورتی اور قہقہے مارتی زندگی کو برت کر جیسا پایا، ویسا لکھ دیا اور اس میں اپنی فطری ظرافت اور بے نیازی کا رنگ بکھیر دیا۔ چناں چہ ۱۸۹۰ء تک (جب وہ سکھالین کے جلاوطنوں کی حالت دیکھنے روانہ ہوا) اس کے افسانوں، طنزیوں اور مضمونچوں پر عموماً ادب کے جانبداروں کی طرف سے یہ اعتراض کیے جاتے تھے کہ ○

مصنف تصویر کشی میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ اس کے رویے کا پتہ ہی نہیں چلتا، ان کہانیوں میں نہ کسی کی حمایت نکلتی ہے، نہ کسی کی نفرت۔ احتجاج یا بیزاری کا عنصر غائب ہو گیا ہے۔

رفتہ رفتہ احتجاج کا عنصر پرچھائیں کی طرح حرکت میں آنے لگا لیکن کسی وقت بھی پرچھائیں کو اس نے حادی نہ ہونے دیا۔

چے خف نے پلاٹ کے بغیر، سیدھے سادے لوگوں میں سے کردار چنے اور بعض اہم افسانوں میں نہ تو کردار ہے، نہ پلاٹ، نہ منظر نگاری، نہ آغاز، نہ انجام۔ سب کچھ پڑھنے والے کے تخیل پر چھوڑ دیا ہے۔

"وانکا" نو برس کا ایک یتیم بچہ اپنے گاؤں سے شہر کے ایک موچی کے ہاں کام سیکھنے لایا گیا ہے۔ کرسمس کے تیوہار پر وہ جیسے تیسے اپنے نانا کو خط لکھتا ہے کہ مجھے یہاں سے لے جائیے، میں آپ کی خدمت میں دن گزاروں گا مگر یہاں بے دردوں کے ستم نہیں سہے جاتے۔ ایک کاپک (پیسے) کے لفافے پر پتہ لکھتا ہے:

"گاؤں میں پہنچ کر نانا کو ملے"

یہ دو حرفی پتہ اس کہانی کا کلائمکس ہے۔

"کسک" میں ایک کوچوان جس نے ابھی جوان بیٹے کی لاش اٹھائی ہے گاڑی

---

○ A. DARMAN - تنقیدی سوانحی خاکہ - GOSLIFIZDAL ماسکو ۱۹۳۶

میں مسافروں کو لیے جا رہا ہے، اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بیقرار ہے، مگر مسافر دوسرے ہی رنگ میں ہیں۔ سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ آخر وہ جب تھان پر گھوڑی کھولتا ہے۔ تو دل بھر آتا ہے۔ اسے پیار کرتا ہے، رو رو کر بیٹے کی موت کا سانحہ گھوڑی کو سناتا ہے اور جی ہلکا کر کے سونے چلا جاتا ہے۔

"غم" میں خرادی، ایک بوڑھا شرابی اپنی بیمار بیوی کو ڈاکٹر کے پاس لیے جا رہا ہے۔ راستے بھر اسے اپنی بدمستیاں اور بیوی کی مظلومیت کی داستانیں یاد آ رہی ہیں۔ بیوی مر جاتی ہے۔ جب وہ ڈاکٹر تک پہنچا تو پتہ چلا کہ خود اس کے ہاتھ پاؤں کو پالا مار گیا۔ غم بالائے غم۔

"کلرک کی موت" میں بھی کوئی خاص واقعہ نہیں۔ ایک کلرک کو تھیٹر کے ہال میں چھینک آ گئی اور آگے بیٹھے ہوئے افسر کی گردن پر چھینٹ پڑی۔ بس، اس خوف نے جان لے لی کہ افسر اسے معاف نہیں کرنے والا۔

"آدمی خول میں" (کنوئیں کا مینڈک)" بیر" "محبت کی بابت"، "یونچ" اور" ایک آزمودہ واقعہ" پانچ کہانیوں کا ایک سلسلہ ہے جن میں معمولی حیثیت کے لوگ اپنی ڈھکی چھپی تمناؤں کے خول میں بسر کرنے والے تمام عمر بندھے ٹکے اصولوں کی اندھی پابندی کے جنون میں حسن اور مسرت سے بے بہرہ رہتے ہیں، مقررہ اصول کی لائن سے سرِ مو تجاوز کرنے کو" گناہ" سمجھتے ہیں اور انھیں احساس زیاں تک نہیں ہوتا۔ اِرد گرد سے بیزاری، بڑے مقصدوں سے بے خبری اور ذاتی سہولت کے احاطے میں گم شدگی اِن کرداروں کی وہ خصوصیات ہیں جن پر وہ خود تو ناز کرتے ہیں، اور ہم کو گھن آتی ہے۔

اس نے ایسی کہانیاں لکھیں جن میں پلاٹ پر موڈ حاوی ہو گیا ہے۔ زور اس پر نہیں کہ، پھر کیا ہوا، بلکہ زور اس پر ہے کہ کس ماحول میں اور کیونکر یہ ہوا۔ چے خف کی طویل مختصر کہانی "شکاری پارٹی کا ایک ڈرامہ" (جس پر فلم بھی بن چکی ہے) وہ سنگِ میل شمار ہونا چاہیے جو واقعات کی اور موڈ کی کہانیوں کے درمیان نصب

ہے ①

موڈیا ایک خاص کیفیت کی کہانیوں پر اعتراض ہوا کہ وہ پڑھنے والے کو کسی سمت میں نہیں لے جاتیں اور صرف "عیبوں کی پوٹ" کھول دیتی ہیں تو چے خَف نے جواب دیا ○○

کیمسٹ کے نزدیک دنیا میں کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ ادیب کو بھی کیمسٹ کی طرح معروضی (OBJECTIVE) ہونا چاہیے، ہر روز اسے انفعال (SUBJECTIVITY) سے منہ موڑتے رہنا چاہیے۔ یاد رکھیے کہ کسی منظر کی تصویر میں کوڑے کا ڈھیر بھی بلند مقام رکھتا ہے۔ گندی خواہشیں زندگی میں اتنی ہی خصوصیت رکھتی ہیں جتنی نیک تمنائیں۔

وہ کوڑے کے ڈھیر کریدنے پر ختم نہیں گیا بلکہ نامطمئن ذہنوں، دکھی اور بے بس دانشوروں، اور ستم زدہ انسانوں کے سینوں میں اُترنے لگا۔

اس دنیا میں فنکار کو اپنی صلیب پیٹھ پر لاد کر تنہا چلنا ہے اور روحانی تنہائی کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں سے تنہائی میں بات کرنی ہے۔ چے خَف نے کم بیش دس برس (۹۵-۱۸۸۵ء) اس اعتقاد اور برتاؤ میں گزارے ہیں، اور عام طور سے کہا جانے لگا کہ اس کے افسانوں میں افسردگی کی دبی دبی لہر چلتی رہتی ہے اور زندگی کی ناپید اکنار ناکامی میں جا کر گم ہو جاتی ہے۔ مگر چے خَف، جیسے ہنس مُکھ، زندہ دل اور محنت کے رسیا کو یہ الزام گوارا نہ تھا:

آپ فرماتی ہیں کہ میرے ہیرو اُکتائے ہوتے، افسُردہ لوگ ہیں۔ افسوس! یہ میرا قصور نہیں۔ میرے منشا کے بغیر ایسا ہوتا ہے۔ جب میں لکھنے بیٹھتا ہوں تو مجھے ہرگز یہ

---

○ ORIENT LONGMAN - DR. HIRANMAY GHOSHAL CALCUTTA. 1949

○○ ۱۸۸۷ کا ایک خط مادام کیلیوا کے نام۔ (مجموعہ خطوط سے)

نہیں لگتا کہ افسردگی کے عالم میں ہوں ۔ کام کرتے وقت تو بہت عمدہ موڈ ہوتا ہے میرا۔ یوں ہوگا کہ افسردہ اور دُکھی لوگ ہمیشہ زندہ دلی سے لکھتے ہیں اور جو زندہ دل ہیں ، وہ اپنی تحریر سے خود ہی افسردگی سمیٹ لیتے ہیں ۔ میں تو زندہ دل آدمی ہوں ! عمر کے کم از کم پہلے تیس سال میں نے یوں کہیے کہ مَوج میں گزارے ہیں ۔ ○

چے خف کے افسانوں سے بڑھ کر یہ افسردہ ، دُکھی اور بے بس کردار اس کے اہم ڈراموں خصوصاً " ایوانوف " میں نظر آتے ہیں ۔ خود اس ڈرامے کا ہیرو ، ایک معمولی حیثیت کا آدمی زندگی کے بڑے مقصد سے عاری اور بڑی جدّوجہد سے کنارہ کش ایک نہایت حساس انسان ہے جس کے " ضمیر میں شب و روز کوئی کانٹا کھٹکتا رہتا ہے ۔ خود کو قصور وار سمجھتا ہے مگر اپنا قصور نہیں جانتا " اس کی زبان پر یہی کلمہ ہے کہ :

یہ کس گناہ کی پاداش ہے ، خدا معلوم ! ( تحریر ۱۸۸۹ء )

تعلیم یافتہ حلقوں میں لوگوں کی افسردگی ، بے اطمینانی ، باتونی دانش وروں کی بے مقصد زندگی اور بے عملی کو چے خف سے بہتر مصوّر نہیں ملا ۔ لیکن مصوّر نے محض انہیں رنگوں پر قناعت نہیں کی ۔ اس نے فرد کو اس کے ماحول میں تلاش کیا ۔ ماحول اور فرد کی رسّہ کشی کو ابھارا :

" ادبیات کا استاد " میں اسکول ماسٹر نکی تین ایک خوش حال خاندان کی نازپروردہ بیٹی سے شادی کر کے بظاہر قابلِ رشک زندگی گزار رہا ہے اور یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ :

" میرا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے عیش و آرام کو جنم دیتا ہے اور اب مجھے وہ میسّر ہے جو میں نے خود تخلیق کیا ..... تمھیں میرا ماضی معلوم ہے ، یتیمی ، لاوارثی ، غریبی اور مصیبت کا بچپن ، بجھا ہوا لڑکپن ، یہ سب زندگی کی جدوجہد تھی ، یہ راہ تھی جسے میں نے خوشی و خوش قسمتی کی منزل تک پہنچایا ۔ "

یہاں تک کہ ایک رات بیوی کا کوئی طنزیہ جملہ اس کے شعور کو ، سوئی ہوئی غیر تمندی کو

---

○ ۱۸۹۷ اکتوبر ۶ ء کا ایک خط مادام اوی لووا کے نام جن سے قلمی دوستی تھی ۔

چونکا دیتا ہے۔ اور وہ اس نیتجے پر پہنچتا ہے!

"خدایا میں کہاں ہوں؟ میرے چاروں طرف گھٹیاپن ہے، اوچھاپن ہے، بے لطف، بے حقیقت لوگ ...... ایسے گھٹیاپن سے بڑھ کر ہولناک اور ذلّت آمیز اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں سے بھاگ نکلو۔ آج ہی نکل بھاگو — نہیں تو پاگل ہو جاؤ گے!"

یہ تاثر کہ فرد اپنے ماحول کے جبر سے نکل بھاگنے کی راہ یا اختیار کی کوئی سبیل بھی رکھتا ہے چے خف کے ہاں رفتہ رفتہ اُبھرا۔

ہر طرف دکھ بھرے مضمون کی گونج ہے، محبت کی ناکامی، خوابوں کی شکست، راحت و مسرت کی بربادی۔ سچ مچ کی کرخت زندگی کا نوحہ، گمری پڑی، نہ بدلنے والی حقیقت کا درد۔

تاہم چے خف کی کہانی کا بنیادی خیال اس میں نہیں کہ ہیرو پر ماحول کے مہلک اثر کی ہی تصویر کشی کر دی جائے۔ مصنّف زور دے کر جتاتا ہے کہ اپنی زندگی کے بارے میں خود انسان کی ذمہ داری اہم ہے۔ اگر" ماحول کھا جائے" آدمی کو تو اس سے صرف ماحول (کی خرابی) ہی نہیں بلکہ اس خوراک بن جانے والے کی اصلیت بھی ظاہر ہوتی ہے جس میں اتنا دم نہیں تھا کہ مقابلے پر ڈٹ سکے۔ چے خف کے بہترین ہیرو ہتھیار نہیں ڈالتے۔ اوچھے پن یا گراوٹ سے ہاتھ نہیں ملاتے — مگر ساتھ ہی ان میں اتنی بھی شکتی نہیں کہ اس پر فتح یاب ہو سکیں۔ دردناک گرہ پڑی رہ جاتی ہے، سلجھتی نہیں، جیساکہ" ادبیات کا استاد" میں،" دو منزلہ مکان" میں اور" میری زندگی" میں ہوا ہے۔○

کہانی" میری زندگی" کو میں اس لائن میں کھڑا نہیں کروں گا۔ تالستائے کی شخصیت

---

○ GOSLILIZDAT - 2 - PAPERNY - ۱۹۵۴ - ص۱۱۵

سے متاثر ہونے والا چے خف یہاں تالستائے کے فلسفے کو صاف رد کر کے کہتا ہے
کہ انسان کا گزارا نہ تو دیہات کی سادگی کی طرف لوٹ جانے اور " بھوودان " یا " شرم دان "
کرنے سے ہونے والا ہے، نہ وہ محض دو گز زمین کا تمنائی ہے۔ وہ تو تسخیر کائنات
کی طرف بڑھتا جائے گا۔ جبر اور بے بسی کی رکاوٹوں کو ہٹانے کے سوا کوئی چارہ
نہیں۔ یہ کہانی ۱۸۹۶ء میں لکھی گئی۔ ڈرامہ " تین بہنیں " اور " بیری باغ " آخری برسوں
میں، کہانی " دلھن " مرنے سے چند مہینے پہلے (۱۹۰۳ء)۔ ان میں ہیرو نہ بے عمل ہیں،
نہ مجبور، ان کی نگاہ پچھلی حدوں کو توڑتی ہوئی ایک شاندار مستقبل کی طرف بڑھتی ہے اور
نفی و اثبات کی کشمکش سے گزر جاتی ہے۔

تالستائے یا پریم چند ○ کی طرح ہیرو کا قلبِ ماہیت (ہردے پری ورتن)
نہیں ہو جاتا اور وہ شر سے ایکدم خیر کا مجسمہ نہیں بن جاتے۔ نہ وہ خیرِ محض ہیں، نہ
شرِ محض۔ شعور اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ وہ خود بدلتے ہیں اور اپنے گرد و پیش
کو بدل ڈالنے کا عزم رکھتے ہیں۔ در اصل کرداروں کے اِس اُتار چڑھاؤ میں خود فنکار
چے خف کا شعور اپنی نشان دہی کرتا ہے۔ انھی دنوں اس نے بے وجہ اپنی نوٹ بک
میں یہ درج نہیں کیا تھا:

کسی قوم کی قوت اور نجات اُس کے ذی علم لوگوں کے ہاتھ میں،
اُن دانش وروں میں ہوتی ہے جو دیانتداری سے سوچتے ہوں، محسوس
کرتے ہوں اور عمل کرتے ہوں۔

اپنے ڈرامے " مرغابی " میں اس نے ہیرو تری گورین کی زبانی کہلوایا:

" میں ایک شہری ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے اور عام لوگوں سے پیار ہے، مجھے
محسوس ہوتا ہے کہ اگر ادیب ہوں تو میرا فرض ہوا کہ عام لوگوں کے، اُن کے

---

○ ملاحظہ ہو تالستائے کی کہانی " خدا سب سچائی دیکھتا ہے مگر جلدی نہیں دکھاتا "
(خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں) اور منشی پریم چند کی " نمک کا داروغہ "۔

دُکھوں اور اُن کے مستقبل کے بارے میں زبان کھولوں "۔

یہی عام لوگ ، بے نام و نمود لوگ ، روزمرہ کی دھکا پیل میں انجانے لوگ اس کے افسانوں اور ڈراموں کے ہیرو ہیں ۔ یہی بے حیثیت عوام ہیں جو فرداً فرداً ، اپنی اپنی شناخت کے ساتھ چے خف کے فن کو ہم عصر ادب سے الگ شناخت کراتے ہیں ۔ خیر و شر سے اُن کا دست و گریباں رہنا ہی دراصل اس اہلِ کمال کی تصویر کشی کی جان ہے ۔ فرد کا فرد سے اور فرد کا ماحول سے ، اور ماحول میں مختلف قوتوں اور مظاھر (PHENOMENAN) کا آپس میں الجھنا ، پنجہ کشی کرنا اس کے فن کی خصوصیت ہے ۔

اس ادیب کا اصل کارنامہ یہ نہیں کہ روسی زندگی کو انسائیکلوپیڈیائی (قاموسی) ہمہ گیر آغوش میں بھر لیا ۔ نہ یہ کہ بے مثل باریکی اور قدرت بیان کے ساتھ چے خف کی ہر ایک تحریر میں سماجی معاشرتی خصوصیات اُبھر آتی ہیں ——— چے خف کی تصانیف کی اندرونی دلدوزی (PATHOS) کا راز اس میں ہے کہ شر کا مِلا جُلا (SYNTHETIC) پیکر تراشا ہے جو اس کی تحریروں کے نفس مضمون کے رگ و پے سے خود بخود نمودار ہوتا ہے ۔ اس شر میں زندگی اپنی مجموعی حیثیت سے دکھائی دیتی ہے ۔ ○

معمولی آدمی اپنے غیر معمولی کارنامے کی بدولت ہیرو ہے ، نہ غیر معمولی حالات کے سبب ۔ بلکہ اس کی زندگی ، اور واقعات کی لائنیں کبھی سیدھی ، کبھی ترچھی ایک دوسری کو کاٹتی ہوئی گزرتی ہیں ۔ جس طرح ریل کے پہیئے پٹری بدلتے وقت اپنی گردش کا اعلان باآواز بلند کرتے ہیں ، چے خف کے کردار بھی پٹری بدلنے میں زیادہ جھنجھناتے ہیں ۔ وہ نہ سیدھی لکیر کا افسانہ تراشتا ہے ، نہ ٹیڑھی لکیر کا ، اور نہ متوازی لائنوں کا ، وہ کرداروں کو انگلی تھام کر نہیں چلاتا ۔ بلکہ سائے کی طرح ان کے ساتھ گلیوں کے موڑ کاٹتا

---

○ RUSSKAYA LITRATURA ۔ باب دوم ۔ مصنف E.B.TAGER

IZDATRO - NAUKA - ۱۹۶۸

جاتا ہے۔ کتنی بار ایسا ہوا کہ وہ افسانے یا ڈرامے کو ایک سمت میں لے جانا چاہتا تھا لیکن زندگی کی پُر اسرار قوت، کردار کی فطرت اور واقعات کی منطق اسے دوسری طرف لے گئی اور چے خف نے ناچار یہی رُخ اختیار کر لیا۔ اس نے کرداروں کو اپنی تخلیق نہیں سمجھا، بلکہ چلتے پھرتے زندہ وجود مانا، اُنھیں گھونٹ گھونٹ کر کے اپنے تخیّل کے گلے اُتارا، اور دوبارہ عالمِ وجود میں لاتے وقت نہ تو کسی سانحے کا سہارا لیا، نہ ہیجانی کیفیت کا، نہ کھڑی چڑھائی یا تر چھے موڑ کا۔ مثلاً اس کا افسانہ سیاہ راہب (BISHOP) جس میں راہب کے بہروپ میں خود مصنّف قصہ گو چھپا ہے۔

وہ تو اس "معمولیت" کی سادہ پُرکار کوشش میں اتنا سخت گیر ہے کہ کہیں اگر عنوان بلند بانگ ہو گیا تو اسے بھی بدل ڈالا۔ "بھونرا" /Попрыгунья/ کا پہلے نام رکھا تھا۔ "بڑا آدمی"۔ مقصد یہ کہ ہرجائی طبیعت کے مصوّر کے مقابلے میں دیموف سائنسداں ایک بڑا آدمی ہے، بعد میں اصرار کر کے یہ عنوان بدلا اور "بھونرا" کر دیا۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے اسے شاعر مزاج قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کے فن کی شاعرانہ خصوصیت پر روسی میں ایک عالمانہ کتاب "POETICA CHEKHOVA" بھی پیش نظر ہے۔ بعض افسانوں میں عاشق مزاج اور شاعرانہ کردار بھی ملتے ہیں۔ مگر ایسے کردار بڑے متوازن، وہ بھی اتفاقی ہی ملتے ہیں۔

اس نے خود کئی بار محبت کی۔ ایک شادی شدہ خاتون کی ڈائری چھپنے کے بعد یہ گوشہ اور منظر عام پر آیا۔ مگر مرد و زن کا فسانۂ عشق اس کا محبوب مشغلہ یا موضوع نہیں۔ ایک کہانی "مذاق" میں لفظِ "محبت" کسی لڑکی کی زندگی میں بہار کا پُر اسرار جھونکا بن جاتا ہے، کہیں وہ اُوبی ہوئی شادی شدہ زندگی میں ہلچل پیدا کر دیتا ہے ("کتے والی میم")، کہیں بھولی بسری یادوں کی کسک ہے ("دو منزلہ مکان")۔

"چے خف ہر شخص کو عاشق یا معشوق نہیں سمجھتا، اس نے انسان کے احساسات کو ایک جذبے تک محدود نہیں رکھا، ایک ہی تصویر کو پس منظر اور گرد و پیش بدل بدل

کر نہیں دکھایا۔ ظاہر ہے انسانی زندگی کا ہر پہلو اتنا رسیلا نہیں ہوتا جتنی حسن و عشق کی کشمکش، لیکن حقیقت نگار کی نظر پوری حقیقت پر ہونی چاہیے۔

اِسی حقیقت کا ایک رُخ مردوں عورتوں کے تعلقات ہیں۔ ایسے ناول نویس بہت ہیں جنھوں نے سطحی دلچسپی کی حد سے گزر کر انسانی فطرت کی گہرائیوں میں غوطہ لگایا ہے اور کسی نہ کسی قیمت کا موتی لے کر آئے ہیں۔ لیکن ایک دو موتیوں سے زیادہ کسی کے ہاتھ نہیں لگے اور ان کے مشاہدے میں یہ لوگ ایسے محو ہو گئے کہ انھیں اس خزانے کا خیال ہی نہیں رہا جس میں سے وہ ان چند موتیوں کو نکال کر لائے تھے۔ فرانسیسی انشا پرداز عورت کی چالاکی اور لذت پرستی کے مرقع کھینچنے میں ماہر ہیں اور اس میدان میں کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ انگریز مصنف اب تک محبت کی داستانیں سنانا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے، لیکن اب وہ اس سے کچھ اکتا گئے ہیں۔ اور جدید ترین ناول نویس عورتوں سے بیزار معلوم ہوتے ہیں۔ نسوانی سیرت کا پورا حق دراصل صرف روسی ادا کر سکتے ہیں۔ ان کی معاشرت کا کئی صدیوں سے کچھ ایسا رنگ رہا ہے کہ وہ اخلاقی پابندیاں جو دوسرے ملکوں میں معیار کا کام دیتی ہیں ان کے یہاں تسلیم ہی نہیں کی گئیں۔ جنسی جذبات ان کے نزدیک اسی قسم کی قدرتی خواہشیں ہیں جیسی بھوک اور پیاس اور کسی نے غلطی سے یا جان بوجھ کر کوئی بے قاعدگی یا زیادتی کی تو وہ اس کے عمل کو فلسفیانہ غور و فکر کا موضوع نہیں بناتے اور نہ اُسے اخلاقیات کے کانٹے پر تول کر رتی ماشے کا فرق نکالتے ہیں۔ وہ عشقِ مجازی کو اس طرح نہیں دکھاتے کہ پڑھنے والا دھوکے سے اس کو حقیقی سمجھ لے اور نہ لذت پرستی کو ایسا سنوارتے ہیں کہ لوگ خواہ مخواہ اس پر فریفتہ ہو جائیں اور ضبطِ نفس کو بد مذاقی یا بے حسی سمجھنے لگیں۔ چیخف اس اعتبار سے بھی سچا روسی تھا، اس نے نسوانی سیرت کی کسی خصوصیت کو مرکزی حیثیت نہیں دی ہے، اس نے عورت کو کسی صفت یا کسی عیب کا مجسمہ نہیں ٹھہرایا ہے، اس کے افسانوں کے نسوانی کیرکٹر سب انسان ہیں اور انسانوں میں جو طرح طرح کی خوبیاں اور خامیاں

ہوتی ہیں وہ ان میں بھی پائی جاتی ہیں ۔ اپنے فرانسیسی ہم چشم موپاساں (MAU PASSAN) (۱۸۵۰-1893) کی طرح چے خف عورتوں سے ڈرنا، نفرت کرنا یا انھیں حقیر اور پست حوصلہ سمجھنا نہیں سکھاتا، اس کا فلسفۂ حیات بہت زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ دوسری طرف وہ عورتوں کو دیویاں بنا کر پوجتا بھی نہیں، مگر مرد عورتیں ایک دوسرے کی صورت اور سیرت سے جو اثر لیتے ہیں اس کو وہ نظر انداز نہیں کرتا، جیسے اس کو اور تمام کیفیتیں بیان کرنے میں کمال ہے ویسے ہی وہ اس لگاؤ کو جو خود بخود پیدا ہو جاتا ہے، آغازِ محبت کے اُس نشے کو جس میں دل و دماغ چُور رہتے ہیں، اس بے صبری اور بے چینی اور جدائی کی اُن تکلیفوں کو جو محبت کی دلیل مانی جاتی ہیں، بڑے رسیلے اور لطیف انداز سے بیان کرتا ہے (رازداں کی طرح) ○۔

چے خف بار بار ڈرامے کی طرف لوٹنا چاہتا تھا، یہ مراد ماسکو آرٹ تھیٹر کے وجود میں آنے سے پوری ہوئی (۱۸۹۸ء) ۔ تھیٹر کے رہنما بھی آزمودہ کار اور دشوار پسند تھے اور چے خف بھی۔

میکسم گورکی نے ڈرامے کے فن کو ادب کی سب سے مشکل صنعت قرار دیا ہے جو ذرا سا فالتو بوجھ برداشت کرنے سے بھی مُنکر ہے۔ چے خف نے ماسکو میں ایک بار اور پیٹرسبورگ میں دو بار اپنے سنجیدہ، بھاری بھرکم ڈراموں (مرغابی، پچھاوانیہ) کی ناکامی دیکھنے کے بعد بھی اسٹیج کی عام (تھیٹریکل) روِش سے ہٹ کر تجربہ جاری رکھا اور جب ایک بار وہ کامیاب ہو گیا تو پانچ ڈراموں سے پورے اسٹیج کا رُخ بدل ڈالا۔

پلاٹ اور ایکشن بظاہر اس کے ہاں ناپید ہیں، مگر باطن میں نفسیاتی تلاطم برپا رہتا ہے۔ پرنس میرسکی نے چے خف کے اسی عمل کو "موڈ کی سوانح عمری"

---

○ پروفیسر محمد مجیب۔ روسی ادب۔ جلد دوم۔ ص ۳۱۲-۳۱۰

کہا ہے۔ موڈ کی یہ سوانح عمری اندرونی کشاکش سے بھرپور یوں چلتی ہے کہ تماشائی کی نگاہ کا دامن تھام کر گہری سوچ کا تقاضا کرتی ہے اور جو یہ تقاضا مان لیتا ہے وہ اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

چے خف سے پہلے بھی روسی ڈرامے میں سادہ، معمولی کردار، روزمرّہ کے واقعات اور سادہ اسٹیج کا چلن ضرور تھا، تورگنیف، گوگول اور استروفسکی یہ قلم لگا چکے تھے ○ چے خف نے بھی عام صورتِ حال میں عام سے لوگوں کو مرکزی کردار چُنا۔ مگر اس کے پیچھے زبردست تیاری، غور و فکر اور ایک وزنی تجربہ شامل تھا:

چے خف کے تمام ڈراموں کے موضوعِ سخن جو معمولی لوگوں کی روزمرّہ زندگی پر وقف ہوئے ہیں، ان کے اندر فرد سے فرد کے باہمی تعلقات میں اور پھر ماحول سے ان کے رشتے میں پیچیدگی اور رنگارنگی کھُلنے لگتی ہے ........
وہ تصویرکشی میں (موضوعِ سخن اور کرداروں کو) سادہ دکھانے کی کوششیں نہیں کرتا۔ بلکہ سادگی کے ساتھ روزمرّہ کے عمل میں زندگی کی پیچیدگی اور ڈرامائی کیفیت کو کھول کر رکھ دیتا ہے۔ ○○

RONALD HINGLEY نے اس بحث کا خلاصہ کر دیا ہے:

اس کے چار بڑے ڈراموں نے ○○○ ڈرامے کے پرانے دستور (روایت) سے جو رشتہ توڑا وہ اس قدر بوکھلا دینے والا تھا کہ اکثر نقادوں نے اسے "انقلابی"

---

F.N-1 ○ ملاحظہ ہو گوگول کی کامیڈی "شادی" استروفسکی کا ڈرامہ: "اپنے آدمی ہیں، نپٹ لیں گے"

○○ "DRAMATURGIYA CHEKHOVA" A.I REVYAKIN MOSCOW- 1954-

○○○ ہماری رائے میں پانچ بڑے ڈرامے کیوں کہ یہ سلسلہ "ایوانوف" سے شروع ہوتا ہے۔ جو پرانے ڈھرے سے ہٹنے کی اوّلین کوشش تھی۔

ڈرامہ نگار قرار دیا۔ اس انقلاب کی تعریف کرنے میں یہ ناممکن ہے کہ آدمی قولِ مہمل کی (PARADOXICAL) سی زبان اختیار کرنے سے بچ جائے۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ چےخف نے تھیئٹر کو تھیئٹر پنے سے پاک کر دیا، غیر ڈرامائی ڈرامے لکھے اور ایسے المیے (TRAGEDIES) جن کا نچوڑ یہ ہے کہ ٹریجیڈی کا پتہ ہی نہیں۔

اس طرح چےخف کے پانچوں بڑے ڈرامے، اپنی سادگی، ظرافت، دھیمے بہاؤ اور اندرونی پیچیدگی اور فکر انگیزی کی بنا پر عالمی تمثیل کے لئے ایک انقلابی کارنامہ ثابت ہوئے۔

ہیرو، ہیروئن، منظر، شام کا جھٹپٹا، درختوں کی سرسراہٹ، موسیقی اور اسٹیج کا سروسامان۔ سب ایک ہی کُل کے اجزا معلوم ہوتے ہیں اور شاعرانہ علامات کا کام دیتے ہیں اور گزرتے ہوئے لمحوں کا گہرا تاثر چھوڑتے ہیں۔ اسی کارن چےخف کو فرانس کی فنی تحریک "IMPRESSIONISM" کا پیرو قرار دیا گیا۔ بعض مشترک خصوصیات کو دیکھئے تو امپریشنیزم اس پر ایک تہمت نہیں، محض مبالغہ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ امپریشنیزم کی پیروی تو درکنار، جب چےخف اپریل ۱۸۹۱ء میں پیرس کی ایک تصویری نمائش دیکھنے گیا تو اس میں امپریشنیسٹ خیالات کے نمونے رکھے ہی نہیں گئے تھے۔ اور چےخف یوں بھی فرانسیسی مصوری سے کچھ متاثر نہیں ہوا۔ چےخف نے ڈرامے کی نئی تیکنیک کا خمیر اٹھانے میں اسٹیج کو گویا نئی زبان عطا کی۔

فنِ ڈرامہ کی نئی زبان پیدا کرنے میں چےخف تنہا نہیں تھا۔ اسی کے دوش بدوش یورپ کا "نیا ڈرامہ" بھی اُبھر رہا تھا (ہاپٹ مان) HAUPTMAN (ابسن) IBSEN (میٹرلنک) METERLINK (اسٹرینڈ برگ) STRINDBERG سامنے آئے تھے لیکن ۲۰ ویں صدی کے فن ڈرامہ کا جنم داتا ہونا چےخف کے حصے میں آیا۔ اس کا فن ایک ایسا خزینہ ثابت ہوا جس سے تھیئٹر اور اسٹیج

کی جدید ترین تحریکیں سیراب ہوئیں - علامتی ڈرامے (SYMBOLISM) سے لے کر مہمل تھیٹر (ABSURD THEATRE) تک - وجہ اس کی یہ کہ چے خف نے فنّی فکر و نظر کی نئی راہ پر چل کر مسلسل نئے نمونے پیش کر دیے۔ ○

پریسٹلے نے، جو کم و بیش ۴۰ برس ڈراموں کی تنقید لکھتے رہے ہیں۔ چے خف کی ڈراماتی تیکنیک کو "آنسوؤں کے تار میں سے قہقہہ" گزارنے کا آرٹ قرار دیا ہے اور فنی معیار کے اعتبار سے یہ ترتیب قائم کی ہے:

۱۔ بیری باغ
۲۔ تین بہنیں
۳۔ ماموں وانیا اور ۴۔ مرغابی

"اپنے اپنے طور پر چاروں بہت خوب ہیں، لیکن میرے خیال میں شاہکار (بیریِ باغ کا) پہلا ایکٹ ہے۔ جو بہت عرصے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام موجودہ ڈرامے میں یہ واحد ایکٹ اپنا کوئی جواب نہیں رکھتا۔"

جرمن فلسفی ہیگل کی جمالیات (AESTHETICS) کا چے خف کے نئے فنی کارنامے سے جو باطنی رشتہ ہے، اس سے قطع نظر کر کے ہم آخر میں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں: "مرغابی" کے بعد "ماموں وانیا" پھر "تین بہنیں" اور بالآخر "بیری باغ"۔ چار سال کے اثنا میں یہ چار ڈرامے دے کر چے خف اور اس کے پروڈیوسر ماسکو آرٹ تھیٹر نے کود پھاند کے ڈرامے (MELODRAMA) کی موت کا اعلان کر دیا۔ جانے پہچانے تھیٹر سے کامیڈی اور ٹریجیڈی کا پرانا

---

○ POETICA CHEKHOVA A.P. ص 279 CHUDAKOV
MOSCOW- 1971-

تصور ٹوٹ کر ختم ہوگیا۔ اب جسے استانی سلافسکی کا طریق کار کہتے ہیں، اس نے قدرتی سیٹنگ میں نئی حقیقت پسندی کو رواج دے دیا۔ ○

چیخف کے افسانوں، مزاحیہ، ظریفانہ مضامین اور ایکانکی ڈراموں کی زبان پانچ بڑے ڈراموں میں خوب کھل گئی۔ یہی وقت ہے جب روس کے نوجوانوں، محنت کشوں اور طلباء کے احتجاج کی صدا بھی بلند ہونے لگی تھی۔ چیخف نے "آنے والے دور کی ہلکی سی اک تصویر" دیکھی بھی اور ڈرامائی کرداروں میں دکھائی بھی۔ فنکارانہ پیش گوئی بھی کردی۔ "ماموں وانیا" کا ڈاکٹر استروف، "تین بہنیں" کا "توزن باخ" اور "بیری باغ" کا نوجوان ترافیموف محنت کا حوصلہ اور بہتر مستقبل کا ولولہ رکھتے ہیں؛ اپنے اپنے قیاس سے اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ موجودہ ڈھانچہ ٹوٹنے والا ہے اور زندگی کی تعمیر کچھ اور بنیادوں پر ہوگی۔ ڈاکٹر استروف سمجھتا ہے کہ اس منزل تک پہنچنے میں ہزار برس لگ جائیں گے، (تین بہنیں کا) ورشی نین کہتا ہے کہ شاید دو تین صدیوں کا عرصہ لگے؛ توزن باخ اعلان کرتا ہے:

> وقت آگیا ہے......... میں تو کام کروں گا۔ اور کوئی پچیس تیس سال گزریں گے کہ ہر شخص، ہر آدمی کو کام کرنا ہوگا...... ہر ایک کو۔

وقت نے رفتار تیز کردی اور ان الفاظ کی پہلی ادائگی کے صرف ۲۰ سال کے اندر بامعنی محنت ہر شخص کا فریضہ ہوگئی۔ محنت، سلیقے اور اہتمام کی نمائندگی ۱۹ ویں صدی میں اُبھرتی ہوئی نئی روسی سرمایہ داری کر رہی تھی جس نے تھکے ہارے، آرام طلب مگر مہذب، ناز پروردہ جاگیرداروں کے "بیری باغ" نیلام پر

---

○ A CONCISE HISTORY OF RUSSIAN LIT. VOL. I

THAIS LINDSTROM LONDON 1966.

چڑھادیے اور بے رحمی سے ثمر دار درخت کاٹ کر وہاں نئے مکانوں کے پلاٹ نکال لیے۔ چیخف کی ہمدردی وہاں تقسیم ہو گئی، غالبؔ کی طرح اس کا دل جاگیرداروں کی ٹریجیڈی پر روتا ہے، اور باشعور دماغ نئی فاتحانہ قوت کا استقبال کرتا ہے۔

جب "بیری باغ" تھیٹر والوں کو پڑھ کر سنایا گیا تو شرفائے روس کی تباہ حالی کے بیان پر سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور چیخف بگڑ بیٹھا کہ میں نے تو کامیڈی لکھی ہے، اسے ٹریجیڈی کیوں سمجھا گیا۔ آخری سین کا ہمہمہ تو بہت حوصلہ انگیز ہے! اس کی زندگی کا یہ آخری اور سب سے مقبول ڈرامہ ٹریجیڈی اور کامیڈی کے سنگم پر تمام ہوا اور اسی کے ساتھ دنیا کے ایک زبردست ڈرامہ نگار اور ڈرامائی کردار نے بھی اپنے ڈراپ سین کا اعلان کر دیا۔

# چند اقوال

"کتنے سارے تمدّن، آرٹ کے کتنے عظیم الشّان کارنامے صرف اس سبب سے تباہ ہو گئے کہ اپنے وقتوں میں انھیں اچھے نقّاد میسر نہ آئے۔" (۱)

"جی ہاں، ادیب کوئی چڑیا نہیں ہوتا کہ چہچہایا کرے ........ اگر میں جی رہا ہوں، سوچتا ہوں، کشمکش میں ہوں، دُکھ بھرتا ہوں تو یہ سب کچھ اس پر اپنا پرتو ڈالتا ہے، جو میں لکھتا ہوں ........ میں سچائی کے ساتھ، یعنی فنکاری کے ساتھ زندگی کی تصویر آپ کے سامنے کھینچتا ہوں۔ اور آپ کو وہ نظر آنے لگتا ہے جو پہلے نظر سے اوجھل تھا، معمول سے تجاوز اور اس کا تضاد ......" (۲)

"میں سماجی اکھاڑے میں اتر کر کام کا پھیلاؤ اپنے سر نہیں لے سکتا۔ بیمار آدمی ہوں۔ ادب ہی ایک طاقت ہے جو مجھے قوت بخشتی ہے۔ جس وقت میں اپنی یادوں کے، اپنے تاثرات کے اور اپنے تراشے ہوئے نئے پیکروں کے حلقے میں ہوتا ہوں تو ساری کوفت بھول جاتا ہوں، توانا ہو جاتا ہوں۔" (۳)

میرے عزیزو، اوّل بات یہ کہ جھوٹ فریب نہیں ہونا چاہیے —— آرٹ

میں، یہی تو ایک خصوصیت اور خوبی ہے کہ یہاں فریب نہیں چلتا۔ محبت میں، سیاست میں، میڈیسن میں آدمی جھوٹ سے کام چلا لے، لوگوں کو فریب دے لے، بلکہ خداوند تعالیٰ سے بھی مکر و فریب کر لے، لیکن آرٹ میں فریب نہیں کرنا چاہیے۔ (۴)

"وہ لکھنا چاہیے جو دیکھتے ہو، جو محسوس کرتے ہو، سچ سچ اور خلوص کے ساتھ۔ مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ فلاں یا فلاں کہانی میں کہنا کیا چاہتا ہوں۔ میں ایسے سوالوں کا جواب نہیں دیا کرتا۔ میرا کام لکھنا۔ کہیئے کہ یہ بوتل ہے، اس پر لکھ دو۔ لیجئے کہانی لکھ دوں گا، عنوان "بوتل"۔ زندہ وجود ہیں جو خیال سُجھاتے ہیں، خیال سے زندہ وجود نہیں تراشے جاتے۔" (۵)

"میرے پیارو، اصل بات یہ کہ تھیٹر پنا نہیں کرنا چاہیے —— سب کچھ سیدھے سبھاؤ ہو —— دیکھو نا —— یہ کیسے سادہ ہیں —— سادہ دل لوگ!

ارے، ارے، یہ لڑکیاں کہاں سے آ گئیں؟ [میرے سین میں تو] اس قسم کی کوئی بات تھی نہیں۔ بس، دو کارپینٹر تھے، دو بڑھئی جو سین تیار کرتے ہیں، کپڑا لپیٹتے ہیں اور پہلو بدل کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بس! یہی دو سائے ہیں (اور آپ نے لڑکیوں کا پرچھاواں ڈال دیا)" (۶)

ادیب کا فرض ہے کہ سب کچھ جانے، ہر بات سیکھے، معلوم کرے کہ کہیں غچہ نہ کھا جائے۔"

پھولوں بھری ٹوکری کی طرف بڑھتے ہوئے اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے وہ بولا: ملاحظہ ہو۔ ہمارے وہ فلاں صاحب ہیں۔ مناظرِ قدرت کا حسن بیان کرنے میں ماہر ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "وہ انیمون کی مہک میں بے تابی کے ساتھ گہرے سانس لے رہی تھی۔ بھلا کہیں انیمون میں مہک ہوتی ہے؟ ہوتی ہی نہیں —— نہیں ——" (۷)

"گفتگو تھی اُن اہلِ قلم کی جو عوام کی صفوں سے نکل کر آئے ہیں، جنھوں نے کہیں باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔

چے خَف نے کہا: کیا اچھا ہوتا جو کہیں یونی ورسٹی میں تعلیم لے لیتے تعلیم کے بغیر کام نہیں چلا کرتا" (۸)

"پہلے، میں ایسے لوگوں کے درمیان رہ چکا ہوں جن کی ساری زندگی میری نظروں کے سامنے گزری ہے۔ کسانوں کو، اسکولوں میں پڑھانے والوں کو، ضلع پریشد کے ڈاکٹروں کو خوب جان چکا ہوں۔ اگر میں دیہات کے اُستاد کے بارے میں جو ساری سلطنت (روس) میں انتہائی بدنصیب آدمی ہوتا ہے، کوئی کہانی لکھوں تو اس جیسے سیکڑوں کی زندگی سے اپنی واقفیت کی بنیاد پر لکھوں گا۔" (۹)

"سنیے، اکثر تیسرے درجے میں سفر کیا کیجئے۔ بعض اوقات بڑے کمال کی اور دل چسپ باتیں سننے میں آتی ہیں۔"

وہ ان ادیبوں پر تعجب کیا کرتا تھا، جو سال سال بھر گھر سے نہیں نکلتے اور پیٹرسبورگ میں اپنے مکان کی کھڑکی سے ہمسائے کے آنگن اور بیڈروم میں تکا کرتے ہیں۔ وہ اکثر سیر و سفر کی ترغیب دیتے ہوئے کہا کرتا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ جوان آدمی، تندرست، بے نیاز ــــ اور پھر بھی سفر نہیں کرتے؟ نہ آسٹریلیا جاتے ہیں نہ سائبیریا؟" (۱۰)

"فنکار کا فرض ہے کہ ہمیشہ کام کرتا رہے، غور و فکر میں مبتلا رہے۔ ورنہ جی نہیں سکتا۔ خیالات سے، خود اپنے آپ سے نجات کہاں ہے؟ ذرا نکراسوف کو دیکھیے، اگر ناولوں کو اور رسالوں میں لکھے ہوئے ایسے کالموں کو بھی حساب میں رکھیں جو ذہن سے اتر گئے ہیں تو اس نے لکھ لکھ کر کتنا ڈھیر

لگا دیا ہے۔! اور ایک ہم ہیں کہ بہت لکھنے کا الزام اُٹھاتے ہیں" (۱۱)

ایک دن شام کے وقت چے خف سے ملنے گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ لکھنے کی میز پر صرف آدھ لکھا ورق پڑا ہے۔ اور چے خف جیبوں میں ہاتھ ڈالے اپنے کمرے میں گھوم رہا ہے۔

یہاں پھنس گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ طوفان کی تصویر کشی کیسے کروں!

ہفتے بھر بعد پھر پہنچا تو دیکھا وہی ورق، اتنا ہی لکھا ہوا میز پہ دھرا ہے۔

"طوفان کا بیان لکھ لیا آپ نے؟"

"کہاں لکھ لیا۔ دیکھیے، ابھی تک اٹکا ہوا ہوں۔ مناسب رنگ نہیں مل رہے ہیں تصویر کشی کے لئے"۔

"شرط اول یہ ہے کہ آدمی بہت سا لکھے۔ کچھ نہ کچھ نکل آئے گا۔ لکھے جاؤ، لکھے جاؤ، بس لکھے جاؤ۔ ایک کہانی نہیں چھپتی، دوسری لکھو۔ تیسری لکھو۔ کوئی نہ کوئی تو چھپے گی ہی۔ شروع میں التفات نہیں کرتے۔ پھر نظر پڑنے لگتی ہے۔ بس کام کرنا جم کر، ڈٹ کر کام کرنا چاہیے ——"

"اور اگر کسی میں فطری جوہر نہ ہو تو؟"

"بغیر کام کیے کیسے پتہ چلے گا کہ جوہر ہے یا نہیں؟ محنت اور فطری جوہر کے بغیر عقدہ حل نہیں ہوتا، اگر آپ نے ایک خاص لائن چن لی ہے تو اسی لائن پر اپنی قوت لگاتے رہیے۔ فیصلہ تو دوسرے کریں گے"۔ (۱۲)

"چاہے کم ہی چھپے، کوئی بات نہیں۔ مگر لکھنا چاہیے زیادہ سے زیادہ۔ تیس برس کو پہنچتے پہنچتے قطعی طور پر اپنی سمت طے ہو جانی چاہیے: سبھی نے اس عمر تک اپنی لائن طے کر لی تھی۔ صرف ایک ادیب SERVÁNTES مستثنیٰ ہے۔ وہ اس عمر سے پہلے لکھ نہیں سکتا تھا۔ بعد میں بھی بہت دشوار تھا

اس کے لئے۔ قید خانے میں کاغذ نہیں دیے جاتے تھے۔ آپ کو خبر ہے کیسے لکھنا چاہیے کہ کہانی اچھی نکلے؟ اس میں کوئی چیز غیر ضروری نہ ہونے پائے۔ جس طرح جنگی جہاز کے عرشے پر ہوتا ہے کہ کوئی شے زائد نہیں رکھی جاتی۔ کہانی میں بھی یہی وصف لازم ہے"۔ (۱۴)

"سنیے، سال میں پانچ ڈرامے لکھ ڈالیے۔ تندرست آدمی ہیں آپ۔ پانچ میں ایک تو غالباً اچھا نکلے گا ہی۔ لکھ چکنے کے بعد فوراً باہر مت نکالیے۔ پڑا رہنے دیجئے کچھ عرصے۔ لکھیے، مسودہ تیار کرکے کئی کئی مہینے بھول جایا کیجئے! اتنے اور کوئی نئی چیز اٹھا لیجئے۔ بعد میں جب پہلے کے مسودے کا رُخ کریں گے تو اس میں ترمیم کے قابل بہت کچھ ملے گا۔ اتنے عرصے میں کتنے ہی نئے خیال، اور کام کے الفاظ و تراکیب دماغ میں آجائیں گے۔ وہ اس میں بڑھا کر پھر تھوڑے دن یونہی چھوڑ دیجئے۔ تب جا کر ایک مکمل اور خوب سوچی سمجھی چیز تیار ہو گی"۔ (۱۵)

"کوئی جلدی نہیں تھی۔ ڈرامہ اور سال بھر اسٹیج نہ ہوتا۔ بڑی چیز کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ عرصے پڑا رہنے دینا چاہیے۔ اس وقفے میں آدمی کچھ اور لکھے۔ اور پھر از سرِ نو پچھلی تحریر اُٹھا لے۔ محنت کرنی چاہیے۔ بہت محنت۔ کوئی چیز جتنی عزیز یا بیش قیمت ہو اس کے ساتھ اتنا ہی احتیاط کا برتاؤ ہونا چاہیے۔ اور ہاں۔ ایک بات اور! ڈرامے کو اسٹیج ہونے سے پہلے چھاپنے کی جلدی نہ کیجئے۔ اسٹیج پر آنے سے بلکہ پہلی ریہرسلوں میں بہت باتیں سوجھتی ہیں"۔ (۱۶)

"آپ کو معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں؟ اس نوٹ بک میں، کوئی دس برس سے زیادہ ہوئے کہ، میں اپنے تمام ریمارک، اپنے تاثرات نوٹ کر لیتا ہوں۔

پنسل کا لکھا مٹنے لگا۔ فیصلہ کیا کہ روشنائی سے لکھوں۔ دیکھتے ہیں۔ ختم کے قریب ہے ــــ ابھی کوئی پان سو (۵۰۰) ورق کا سامان اور لکھنے کو باقی ہے۔ قریب قریب پانچ برس کا کام رہا ہے" (۱۷)

"موضوع وغیرہ کچھ نہیں چاہیے۔ زندگی۔ زندگی میں (الگ سے) موضوع نہیں دھرے ہوتے۔ سب کچھ خلط ملط ہے۔ گہرائی تھلے کے ساتھ، عظیم، حقیر کے ساتھ۔ دردناک ہنسی کی بات کے ساتھ۔ حضرات، آپ لوگ لکیر کے فقیر اور معمول کے ہپناٹزم میں مسحور ہیں، اس چکر سے کسی طرح نکل نہیں پاتے۔ نئی ہستیوں کی ضرورت ہے، نئی فارموں کی ــــ" (۱۸)

چے خف کو اس بات سے بڑی کوفت ہوئی کہ باہر ضلع کے کسی تھیٹر میں "ماموں وانیا" کو ایک ایسے زمیندار کے روپ میں پیش کیا گیا۔ جو بالکل کھکھ ہو چکا ہے۔ یعنی میلے کچیلے، پھٹے پرانے حلیے میں ــــ جوتوں پر کیچڑ تھپی ہوئی۔

"اچھا، یوں نہیں تو پھر کیسا ہونا چاہیے تھا؟"

"میں نے تو ساری تفصیل لکھ دی ہے" چے خف نے جواب دیا۔ اور وہ تفصیل کیا تھی؟ صرف دو لفظوں میں۔ مصنف لکھتا ہے کہ ماموں وانیا "ریشمی ٹائی" لگائے ہوتے ہے۔ مصنف کے خیال میں ریشمی ٹائی کا اشارہ کافی ہے یہ جتانے کے لئے کہ اس کا لباس کیسا ہوگا" (۱۹)

"ایسا مت کیجئے۔ سنتے ہیں آپ! میں نے لکھ تو دیا کہ (ماموں وانیا) نہایت نفیس ٹائیاں لگاتا ہے۔ غور تو کیجئے! زمیندار لوگ ہم سے، آپ سے بہتر لباس پہنتے ہیں" (۲۰)

سمندر کی تصویر کشی بڑا مشکل کام ہے۔ آپ جانتے ہیں، ابھی کچھ دن پہلے میں نے اسکول کے کسی لڑکے کی کاپی میں سمندر کا بیان پڑھا، وہ کیا لکھتا ہے؟ لکھتا ہے ا سمندر بہت زبردست تھا۔ اور بس۔ میں جانوں کمال کی بات لکھی ! (۲۱)

"صحیح معنوں میں ادیب بننے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی خود کو اسی کام کے لئے وقف کر دے۔ اور جگہوں کی طرح یہاں بھی صرف سر کھپانے سے بات نہیں بنتی۔ اور کاموں کی طرح آرٹ میں فطری جوہر بھی درکار ہے اور محنت بھی۔ صحیح معنوں میں جم کر محنت کرنی چاہیے۔ اور سب سے اوّل یہ کہ زبان پر محنت کی جائے۔ بولی پر، الفاظ پر خوب غور کرنا پڑتا ہے۔ آپ نے تالستائے کی زبان پر غور کیا؟ زبردست وقفے، ایک دوسرے پر تہہ پر تہہ چڑھے ہوئے جملے۔ یہ مت سمجھیے کہ محض اتفاق سے ایسا ہو گیا، یا ایک خامی ہے (بیان کی) یہی تو آرٹ ہے۔ بڑی محنت کے بعد یہ ہنر میسر آتا ہے —— ان سے قوت کا اثر پڑتا ہے دل پر۔" (۲۲)

" سب سے مُقدّم یہ کہ آدمی کام (محنت) کرے۔ البتہ ذاتی جوہر کے بغیر بہت آگے جانا ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر یہ لیجئے، میز ہے، جیسی بھی ہے یہ —— (ذرا ٹھہر کر کہا) اس میز کا بیان کرنا کہیں دشوار ہے بہ نسبت اس کے کہ یوروپی تہذیب کی تاریخ لکھ دی جائے۔" (۲۳)

" صحیح معنوں میں ادیب —— یہ وہی ہے جو قدیم زمانوں میں پیغمبر ہوا کرتا تھا۔ عام لوگوں کے بہ نسبت اس کی نگاہ زیادہ صاف دیکھتی ہے۔" (۲۴)

" یہ کیا بات ہوئی کہ موضوع نہیں ہیں —— موضوع —— ہر جگہ موضوع،

ذرا آپ اس دیوار پر نظر ڈالیے۔ بظاہر اس میں دل چسپی کا کوئی سامان نہیں۔ ذرا غور سے دیکھیے، کوئی اپنی بات پیدا کیجئے اس میں، ایسی بات جو پہلے سے کسی حصے میں نہ آئی ہو۔ اور اس بات کو لکھ ڈالیے۔ یقین کیجئے گا کہ اچھا، عمدہ افسانہ بن سکتا ہے —— چاند پر اچھی کہانی لکھی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ چاند میں کوئی ایسی چیز دیکھی جائے جو اپنی ہو، دوسرے کی کہی ہوئی یا گھسی پٹی نہ ہو۔

"اور لیجئے، وہ دیکھیے، کیا موضوع نہیں ہے یہ؟" (سڑک پر جو کھڑکی کھلتی تھی، جہاں اُجالا ہو چلا تھا اس کی طرف اشارہ کر کے چےخف نے کہا۔ دیکھیے: راہب چلا آ رہا ہے، ہاتھ میں کاسۂ گدائی۔ گھنٹی بجا کر خیرات طلب کرتا ہے —— آپ کو نہیں محسوس ہوتا کہ کیسا عمدہ موضوع پیش نظر ہے؟ —— اس میں کوئی دردناک بات ہے کہ سیاہ پوش راہب اور پھیکا پھیکا اُجالا ——" (۲۵)

"اسٹیج پر سب کچھ اتنا ہی پیچیدہ اور بیک وقت اتنا ہی سادہ ہو تو بہتر ہے جتنا اور جیسا زندگی میں ہوتا ہے۔ لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔ صرف کھانے پر بیٹھے ہیں، عین اسی وقت اُن کی قسمت کا پیچ پڑ جاتا ہے اور زندگی بکھر کر رہ جاتی ہے۔"
(۲۶)

انتون پاولووچ نے مجھے ایک طرف بُلایا اور زیر لب بولا:

"میں ایک نیا ڈرامہ تمام کر رہا ہوں۔"

"کونسا؟ کیا نام؟ مرکزی خیال کیا ہے؟"

"جب تیار ہوگا تو معلوم ہو جائے گا آپ کو۔ اور ملاحظہ ہو استانی سلافسکی! اس نے مجھ سے مرکزی خیال دریافت نہیں کیا۔ ڈرامہ ابھی پڑھا نہیں، پوچھا تو یہ پوچھا، اس میں کیا ہو گا؟ کس قسم کی آوازیں ہوں گی؟ دیکھا! تصور تو کیجئے، اس نے قیاس لگایا اور پوچھ لیا —— جس خاص آواز کی مجھے (اس ڈرامے میں)

ضرورت تھی وہ اس نے پکڑ لی۔

اور آپ ہیں کہ موضوع جاننے کی فکر میں پڑ گئے!" (۲۷)

شاعری کے بارے میں گفتگو تھی۔ چے خف کو پھریری سی آگئی

سنیے جناب! آپ کو ایکسے ئی تالستائے کی شاعری پسند ہے؟ میں تو جانوں یہ ایکٹر ہے! نوجوانی میں اس نے اوپیرا والے ایکٹروں کا جو روپ دھارا تھا ساری زندگی اسی بہروپ میں رہ گیا۔ (۲۸)

چے خف نے ہنری ابسن (IBSEN) کی WILD NESS کی ریہرسل دیکھی اور اُوبتا رہا۔ ابسن اُسے پسند نہیں تھا، وہ اکثر کہا کرتا تھا:

" سنیے، ابسن زندگی سے واقف نہیں ۔ زندگی میں ایسا نہیں ہوا کرتا۔" (۲۹)

... تھوڑے دن ہوئے، میں لیو تالستائے سے ملنے یا سنایا پولیانا گیا تھا۔ کیا دل چسپ انسان ہے یہ: آپ ذرا اسے سمجھنے کی کوشش کر دیکھیے، عین ممکن ہے اسی میں ڈوب جائیں۔ جیسے اتھاہ کنوئیں میں ڈوبتے ہیں ——— روحانی قوت کیا زبردست ہے! اس سے باتیں کرنے میں یوں محسوس ہوتا ہے گویا آپ سراپا اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ میں آج تک کسی شخص سے نہیں ملا، جس میں تالستائے جیسی پُرکشش اور یوں کہیے کہ ہم آہنگ، متناسب شخصیت ہو۔ تالستائے از اوّل تا آخر ہم آہنگی اور حسن ہے۔ اس کے ساحرانہ روحانی وجود میں کوئی ایک بھی نقش، نہایت معمولی سا مذ بھی ایسا نہیں جو مکمل نہو۔ اس میں ہر شے قطعی، طے شدہ، صاف اور سلجھی ہوئی ہے انتہا درجے کی ——— یہ شخص تقریباً مکمل مکمل انسان ہے۔ کوتاہ نظر نکتہ چیں مین میخ نکالتے ہیں کہ دو رُخا پن ہے۔ کہتے ہیں گویا اس کی فطرت میں ایک تو ہے فنکار اور دوسرا ہے فلسفی۔ اور

دونوں ایک دوسرے سے دست وگریباں رہتے آئے ہیں۔ کیا بکواس ہے!
تالستائے اپنی فنکارانہ تحریروں میں اتنا ہی فلسفی ہے جتنا وہ فلسفے میں فنکار ہے
یہ حیرت انگیز حد تک مکمل فطرت ہے۔ ★ (۳۰)

---

★ یہ تمام اقتباسات اس کے خطوط اور گفتگو کی یادداشتوں سے لئے گئے ہیں،
جن کے کئی مجموعے اکادیمی آف سائنسز، یو۔ایس۔ایس۔آر۔ نے ماسکو سے شائع
کر دیے ہیں۔